جولائی ۱۹۸۸ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

نفاذِ شریعت آرڈیننس: ایک ہمہ پہلو جائزہ

امیر تنظیم اسلامی کے تازہ خطبۂ جمعہ کی تلخیص

جہاد بالقرآن کے پانچ محاذ

ایک فکر انگیز مضمون (دوسری اور آخری قسط)

یکے از مطبوعات
تنظیم اسلامی

نام بھی اچھّا — کام بھی اچھّا
صُوفی سوپ ہے سب سے اچھّا

صُوفی سوپ

اُجلی اور کم خرچ دُھلائی کے لیے بہترین صابن

صُوفی سوپ اینڈ کیمیکل انڈسٹریز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
تار: صُوفی سوپ ٹیلکس:
۳۹۔ فلیمنگ روڈ۔ لاہور۔ ٹیلی فون نمبر: ۲۲۵۴۴۷ - ۲۲۳ ۵۴۵۲۳

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (قرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

ماہنامہ میثاق لاہور

جلد	۳۷
شمارہ	۷
ذوالقعدہ	۱۴۰۸ھ
جولائی	۱۹۸۸ء
فی شمارہ	-/۵
سالانہ زرتعاون	-/۵۰

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

ادارۂ تحریر

اقتدار احمد

شیخ جمیل الرحمٰن

مولانا محمد سعید الرحمٰن علوی

حافظ عاکف سعید

سالانہ زرتعاون برائے بیرونی ممالک

سعودی عرب، کویت، دوبئی، دوحا، قطر، متحدہ عرب امارات	۲۵ سعودی ریال یا -/۱۱۵ روپے پاکستانی
ایران، ترکی، اومان، عراق، بنگلہ دیش، الجزائر، مصر، انڈیا۔	۶۔ امریکی ڈالر یا -/۱۰۰ روپے پاکستانی
یورپ، افریقہ، سکنڈے نیوین ممالک، جاپان وغیرہ۔	۹۔ امریکی ڈالر یا -/۱۵۰ 〃 〃
شمالی وجنوبی امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ وغیرہ۔	۱۲۔ امریکی ڈالر یا -/۲۰۰ 〃 〃

ترسیل زر: ماہنامہ میثاق لاہور یونائیٹڈ بنک لمیٹڈ ماڈل ٹاؤن برانچ
۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔ ۱۴ (پاکستان)، لاہور

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔ ۱۴ فون: ۸۵۲۶۱۱، ۸۵۲۶۸۳

سب آفس: ۱۱۔ داؤد منزل، نزد آرام باغ شاہراہ لیاقت کراچی۔ فون: ۲۱۶۵۸۶

پبلیشرز: لطف الرحمٰن خان مقام اشاعت: ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن۔ لاہور

طابع: رشید احمد چودھری مطبع: مکتبہ جدید پریس شارع فاطمہ جناح لاہور

عرضِ احوال ———— ۳

اقتدار احمد

نفاذِ شریعت آرڈیننس ۔ ایک ہمہ پہلو جائزہ ———— ۹

امیر تنظیم اسلامی کا تازہ خطابِ جمعہ

تلخیص و ترتیب: عاکف سعید

امیر تنظیم اسلامی کے بعض ذاتی اور خاندانی کوائف ———— ۱۹

اُن کے اپنے قلم سے

ایک مخلصانہ سرزنش ———— ۲۹

تمباکو نوشی کو 'نہی عن المنکر' میں سرفہرست ہونا چاہیئے

ڈاکٹر عبدالخالق

الہدیٰ (نشست ۵۳) بنی اسرائیل ———— ۳۱

اسلام کا معاشرتی اور سماجی نظام (۴) ڈاکٹر اسرار احمد

جہاد بالقرآن کے پانچ محاذ ———— ۴۳

ایک فکر انگیز خطاب (آخری قسط)

ڈاکٹر اسرار احمد

مجاہدِ کبیر مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ ———— ۶۱

مولانا عبدالکریم پاریکھ

رفقاءِ تنظیم کے لیے دعوتی و تربیتی نصاب ———— ۷۳

مرتب: چوہدری غلام محمد

رفتارِ کار ———— ۷۷

امیر تنظیم اسلامی کا سہ روزہ دورۂ کوئٹہ

مرتب: سید برہان علی

رسائل و مسائل ———— ۸۳

این آئی ٹی یونٹس کے بارے میں 'ترجمان القرآن' کا موقف

خطوط و نکات ———— ۸۷

اقتدار احمد

عرضِ احوال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہمارا یہ موقف قارئین پر پوری طرح واضح ہے کہ اسلام اور شریعت کی طرف ہر پیش رفت اگرچہ ہمارے نزدیک مبارک و مسعود ہے تاہم ایسی کوئی تبدیلی دین حق کے قیام و نفاذ کا راستہ ہموار نہیں کر سکتی۔ دین کے بکمال و تمام غلبے کا واقعہ تاریخ انسانی میں صرف ایک بار ظہور پذیر ہوا اور اگر اللہ تعالیٰ کے صادق و مصدوق رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ایک بار پھر روئے ارضی پر قیام کی نوید ہمیں نہ دی ہوتی تو ہر گز نہ مانتے کہ انسانیت ایک بار پھر معراج کا شرف حاصل کرے گی اور اس انعام سے دوبارہ بھی نوازی جائے گی..... تاہم یہ طے ہے کہ دنیا میں جب کبھی ایسا ہوا اسی انقلابی طریقۂ کار سے ممکن ہو گا جس کی پوری پوری شرح اسوۂ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں موجود ہے۔ شرط محض اس کے اسی خاص مقصد اور نقطۂ نظر سے مطالعہ کی ہے..... وہ دن طلوع ہو کر رہے گا جب مسلمانوں کی ایک جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقوش پا پر چلتے ہوئے اس منزل مراد تک پہنچ چکی ہو گی..... ہم اس میں شامل ہوں گے یا نہیں' ایک علیحدہ بات ہے..... ہمارا کام تو اس منزل کی سمت میں سفر کرتے چلے جانا ہے..... منزل تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تو فہوالمراد' راہ میں ہی کام آ گئے تب بھی خسارے کا سودا نہیں ع

گر جیت گئے تو کیا کہنا' ہارے بھی تو بازی مات نہیں

وطن عزیز میں اللہ کے کلمے کی صحیح معنوں میں سربلندی اور دین حق کے شایانِ شان اظہار کے لئے ہمارا چھوٹا سا قافلہ اپنی سی کوشش میں مصروف ہے..... اپنے لائحہ عمل کے خطوط ہم نے توفیق الٰہی کے طفیل منہج انقلاب نبوی سے ہی متعین کئے ہیں..... اسے سمجھنے کے لئے تو ہمیں یقیناً خاصی محنت کرنی پڑی تاہم پاکستان کی اکتالیس سالہ تاریخ کے سرسری مطالعہ نے ان نتائج پر ہمارے اطمینان اور وثوق میں خاطر خواہ اضافہ کیا جو سیرت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے ہم نے اخذ کئے ہیں۔

پاکستان جس مشکل سے دوچار ہے' اس کا سامنا دوسرے مسلمان ممالک کو نہیں...... یہ ملک خداداد اسلام کے نام پر اور اسی کی ایک مثالی ریاست بننے کی غرض سے وجود میں آیا تھا...... اس نسبت اور اس مقصد کا اعلان ہمارے عوام نے بھی کیا اور خواص نے بھی...... تاہم ہماری پے در پے غلطیوں نے اب اسلام کو ہمارے لئے نسبت کو نبھانے اور عہدوپیان کو پورا کرنے کی ذمہ داری تک محدود نہیں چھوڑا' ہماری مجبوری اور واحد وجۂ جواز بنا دیا ہے...... اس صورتحال کی مزید شرح کا نہ یہاں موقع ہے اور نہ کم از کم ہمارے حلقے میں اس کی کوئی ضرورت. ہے کہ یہ قوم ع

کافر نتوانی شد' ناچار مسلمان شو

کی سی صورتحال سے دوچار ہے۔ جولائی ۱۹۷۷ء کے بعد سے ملک میں سیاسی عمل اور جمہوریت کو جیسے تعطل میں ڈالا گیا اور اس کے جو ہولناک نتائج اب نوشتۂ دیوار ہیں' وہ اس وقت موضوع بحث نہیں...... بات محض نفاذ اسلام کے حوالے سے ہو رہی ہے......... پچھلے گیارہ سال سے یہاں نظام مصطفیٰ کے نعرے کی بازگشت سنی جا رہی ہے...... نفاذ اسلام کا انقلابی تصور تو خود نعرہ لگانے والوں میں بھی موجود نہ تھا' تاہم بعد کے زمانے میں ان صاحب نے بھی جن کے اقتدار مطلق کے لئے ایک سیاسی غدر نے موقع پیدا کیا جسے محض مصلحت کے اتباع میں تحریک نظام مصطفیٰ کا نام دے دیا گیا تھا' لگی لپٹی رکھے بغیر کہا کہ وہ اور ان کے رفقائے کار یہاں اسلام کا نفاذ انقلابی طریقے سے نہیں' تدریجی انداز میں کریں گے...... ہم تو سمجھتے تھے اور آج بھی سمجھتے ہیں کہ انقلاب ہی واحد چارۂ کار ہے لیکن ایک بالفعل موجود نظام کے محافظوں سے یہ توقع کیسے رکھی جا سکتی تھی کہ وہ اسی شاخ پر آری چلا دیں گے جس پر ان کا آشیانہ ہے' وہ اپنے نظام کو انقلاب سے تلپٹ کرنا منظور نہ کر سکتے تھے چنانچہ انہوں نے تدریج کا نسخہ آزمانے میں عافیت سمجھی کہ ع

باغباں بھی خوش رہے' راضی رہے صیاد بھی

اسلام کی کچھ برکات کا ظہور بھی ہو جائے اور مفادات پر ضرب بھی نہ پڑے......... اس لائحہ عمل کے اب تک جو نتائج نکلے' سب کے سامنے ہیں کہ کسی ادنیٰ پیش رفت کا کیا سوال انحطاط اور پسپائی کی رفتار تیز تر ہو گئی...... اب پھر نئے عزم کے ساتھ جس کے خلوص کا فیصلہ ہم بہرحال نہیں کر سکتے' تدریجی عمل کو "ٹاپ گیئر" میں ڈالنے کا اعلان کیا گیا ہے تو اس بات پر غور مناسب ہوگا کہ تدریجی عمل سے بھی اسلام کی کچھ خوبیوں کو معاشرے میں سمونے کا ارادہ اور جذبہ صادق ہوتا تو یہاں ہونا کیا چاہئے تھا۔

اولین ضرورت اس بات کی تھی کہ نظام مصطفیٰ کے نعرے نے جیسی کچھ گرمی دلوں کے نہاں خانوں اور خارجی فضا میں پیدا کی تھی' اسے نہ صرف برقرار رکھا جاتا بلکہ بڑھانے اور ایک متعین و مثبت رخ پر ڈالنے کی کوشش کی جاتی...... اس کام میں ذرائع ابلاغ اور مساجد سے بہت مفید کام لیا جا سکتا تھا...... ریڈیو اور ٹی وی کے موثر ترین ذرائع تو تھے ہی حکومت کے قبضے میں' اخبارات و جرائد میں بھی فحاشی اور عریانی کا سیلاب پہلے یوں جھاگ نہیں اڑا رہا تھا جیسے آج ہماری آنکھوں کے سامنے اڑا رہا ہے......... انہیں حکومت اشتہارات اور کاغذ کے کوٹے جیسی ترغیبات کے ذریعے بڑی آسانی سے زیر دام لا سکتی تھی...... ان ترغیبات سے اپنے بے جواز اختیار و اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے انہیں استعمال کیا جا سکتا تھا تو یہ کام لینے میں بھی کیا قباحت تھی کہ وہ عوام الناس میں موجود مذہب سے جذباتی وابستگی کو دینی شعائر عملی طور پر اپنانے کا ایک موثر داعیہ بنانے کی کوشش کرتے...... مساجد کو اگر قرآن مجید کی تعلیم و تدریس کے لئے استعمال کرنے کا انتظام کیا جاتا تو یہ ایک طرف فرقہ واریت کے زہر کا تریاق بنتا اور دوسری طرف غیر محسوس طور پر دین کی مبادیات کی طرف التفات اور ایمان کے شجر طیبہ کی آبیاری کا باعث ہوتا...... ذرائع ابلاغ اور مساجد کی مشترکہ مساعی سے اگر معاشرے کی قلب ماہیت نہ ہوتی تو اتنا ضرور ہو سکتا تھا کہ اہل وطن کی ایک کثیر تعداد میں مسلمان جینے اور مرنے کی خواہش پیدا ہو جاتی...... دین کو اپنانے اور غیر دین کو ترک کرنے کا اجتماعی ارادہ کسی نہ کسی درجے میں ضرور کار فرما نظر آتا......... نظام تعلیم میں فوری طور پر بنیادی اور صحت مند تبدیلی نہ بھی لائی جا سکتی تو اتنا تو کیا ہی جا سکتا تھا کہ اس کا صرف قبلہ راست کر دیا جاتا اور اس میں کچھ رنگ مقصدیت کا شامل ہو جاتا...... دانشوروں کے اس طبقے کو جس نے نئی نسل کو دین سے برگشتہ کرنے اور معاملات دین میں ابہام و تشکیک پیدا کرنے میں بڑا ہی موثر کردار ادا کیا ہے' راہ راست پر نہ لایا جا سکتا تو یہ تو کیا ہی جا سکتا تھا کہ انہیں تعلیم و ابلاغ کے ان شعبوں سے ہٹا دیا جاتا جو قوم کی ملکیت ہونے کے باوجود پوری طرح ان کے تصرف میں تھے.........

دوسرا کم سے کم لازمہ تدریجی عمل کا یہ تھا کہ حکمران......... اور بات صاف کرنے کے لئے یہ کیوں نہ کہا جائے کہ جنرل محمد ضیاء الحق......... دین کو اپنی ذات اور اپنے گھر میں نافذ کرتے...... ہم مذہب کی بات نہیں کرتے جس کے مظاہر جنرل صاحب کی زندگی میں پہلے سے موجود تھے' دین کا ذکر کر رہے ہیں جس سے زندگی کا کوئی پہلو مستثنیٰ نہیں رکھا جا سکتا...... ان کے گھر میں بھی ستر و حجاب کا نظام اس حد تک ضرور نافذ ہوتا جہاں تک جملہ نقطہ ہائے نظر

میں اتفاق پایا جاتا ہے...... ان کے آس پاس وہ لوگ پائے جاتے جن کی زندگیاں دین کے مزاج سے قریب ترنظر آتیں اور ان کی رسم وراہ بھی ان حلقوں سے ہوتی جو ہدایت کے اسی چشمے سے فیضیاب ہوتے...... جنرل صاحب کو اپنے عہدہ اور منصب کی رعایت سے ملک کا رسم ورواج جو غیر معمولی تزک واحتشام' کروفر' مراعات' تحفظات اور وسعت مالی دیتا تھا' ان سے وہ رضاکارانہ دستبردار ہوتے...... عمر بن عبدالعزیزؒ کی روایات کی تجدید تو شاید آج کے زمانے میں آسان نہ ہوتی لیکن اس سے بہت کم ایثار کا مظاہرہ ان کی طرف سے ہوتا تو حکومت میں ان کے رفقائے کار کم وبیش ان کی پیروی پر مجبور ہوتے۔ خداترسی' احساس ذمہ داری' توکل اور قناعت وسادگی کا یہ چلن اوپر سے اتر کر نچلی صفوں میں غیر محسوس انداز میں اثرونفوذ پیدا کرتا چلا جاتا...... بین الاقوامی سطح پر پاکستان اور اس کے حکمرانوں کو عزت ووقار کا وہ بلند مقام ملتا جس کی رفعت سے ملک اور دین کے دشمنوں کے دل دہلنے لگتے اور اسلام پھبتیوں کا نشانہ بننے کی بجائے اس شرف کا حقدار ٹھہرتا جو اللہ کی جناب میں اسے حاصل ہے۔

بدعنوانی کی جوان گنت اقسام معاشرے کی رگوں میں اتر گئی ہیں اور جنہوں نے لوگوں کی عظیم اکثریت کے اخلاق وکردار کا دیوالہ نکال دیا اور اقدار کے ڈھانچے کو زمین بوس کر کے چھوڑا ہے' ان کا انسداد بھی اوپر کی سطح سے شروع ہوتا تو اثرات کی ضمانت دی جاسکتی تھی...... ایوانہائے اقتدار سے اگر دیانت' امانت اور پاک دامنی کی داستانیں فضا میں پھیلتیں تو کج روی کی گرد خود بخود بیٹھتی چلی جاتی...... حرام خوری کے راستے جن میں سود جیسی نجس چیز کا کھانا بھی شامل ہے' بند کرنے کی کوشش کی جاتی تو ہمارے کردار کی بہت سی خباثتوں کی جڑیں سوکھنی شروع ہو جاتیں...... سود کو جب تک اور جس حد تک برقرار رکھنا مجبوری ہوتا' رکھا جاتا لیکن اعتراف گناہ اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کا سلسلہ جاری رکھنے کے ساتھ اس عزم کی پختگی کا قول و عمل سے اظہار ہوتا کہ مجبوری کی شدت میں ذرا بھی کمی آئی تو اس لعنت سے چھٹکارا پانے میں ایک لمحے کی بھی تاخیر نہ ہوگی...... معیشت کی اس ام الخبائث کو صرف نام بدل کر جائز قرار دینے کی کوئی کوشش نہ ہونی چاہئے تھی۔

اسلامی نظام حیات کے جس شعبے کو بھی نفاذ شریعت کے لئے منتخب کیا جاتا' اس میں قانون سازی نقائص سے پاک ہوتی...... اللہ کے عطا کردہ احکام کو آج کی قانونی زبان کا جامہ پہناتے ہوئے اُس سے زیادہ مہارت استعمال کی جانی چاہئے تھی جو مروجہ برطانوی قوانین میں پائی جاتی ہے...... اور پھر اس کی تنفیذ میں رخنوں کو بھی بند کیا جاتا...... ان قوانین کے ساتھ

دوسرے متوازی قواعد و ضوابط کو یکسر منسوخ کر دیا جاتا تاکہ دوئی لوگوں کے لئے بچاؤ کے راستے نہ نکال سکتی۔ اولین ترجیح اسلام کی تعزیرات اور حدود کے نفاذ کو ہی ملنی چاہئے تھی، جیسے کہ ملی لیکن یوں نہیں کہ وہ محض طنز و مزاح کا موضوع بن جائیں اور ان پر عمل در آمد اور اجرا کی ایک نظیر بھی قائم نہ ہو...... اس نظام کو پوری دلی آمادگی اور ارادے کی بھرپور قوت سے اپنایا جاتا تو ہمارا فاسد معاشرہ اس کے اثرات قبول کئے بغیر نہ رہ سکتا تھا...... کیا اس بات میں کسی کو شبہ ہے کہ فیصلوں کی تاخیر اور سزاؤں کی نرمی نے ہمارے ہاں مجرموں کو وہ شہ دی ہے جو جرم کے تمام داعیات سے بھی قوی ہے...... اور یہ کہ جرائم نے معاشرے کے فساد کی رفتار کو دن دونا رات چوگنا کیا اور اس حال کو پہنچا دیا ہے کہ وہ اسلام کی اعلیٰ اقدار کو تو کیا دنیا میں رائج پست تر معیارات بھی قبول کرنے کو تیار نہیں......

سطور بالا میں ہم اسلام کے تدریجی نفاذ کی چند ہی ترجیحات کا ذکر کر پائے ہیں...... یہ موضوع اتنا تفصیل طلب ہے کہ جتنا کچھ بھی کہا جائے کم ہے جبکہ ہمیں میسر صفحات کی تعداد محدود ہے...... تاہم اتنا تو ضرور ہو گیا ہو گا کہ قارئین کو اندازہ ہو کہ یہ بات کس طرح اور کون سے رخ کو بڑھائی جانی چاہئے تھی اور سو باتوں کی ایک بات یہ ہے کہ اگر نیت نیک ہوتی اور ارادہ میں پختگی پائی جاتی تو متذکرہ بالا چند قدم اٹھانے کے بعد آگے کا راستہ کھلتا چلا جاتا اور ایسے لوگ تلاش کئے بغیر ملتے چلے جاتے جو اس سفر میں ارباب حکومت کا دست و بازو بننے کو سعادت شمار کرتے۔

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے ہزارہا شجر سایہ دار راہ میں ہیں

☆......☆......☆......☆......☆

"میثاق" کے اس شمار میں ملک غلام علی صاحب کے اس جواب کو نقل کیا جا رہا ہے جو انہوں نے این آئی ٹی یونٹس کے بارے میں ایک سوال پر ترجمان القرآن کے تازہ شمارے میں دیا ہے...... ملک صاحب ہمارے واجب الاحترام بزرگ ہیں، فقہ اسلامی میں کام کرتے ایک عمر گذار چکے ہیں اور صدر ضیاء کی طرف سے قائم کردہ شرعی عدالت میں بطور جج بھی کام کرتے رہے ہیں...... پھر انہوں نے سوالی کو سرسری جواب دے کر ٹرخانے کی بھی کوشش نہیں کی تحقیق کا حق ادا کیا ہے...... ان کے اس خیال سے اختلاف کی گنجائش نہیں رہی کہ این آئی ٹی کی شکل میں کی گئی سرمایہ کاری بھی سود کی آلودگی سے پاک نہیں...... جیسا کہ انہوں نے خود

بھی صراحت کی ہے 'ہم سمیت عام لوگ نیشنل انوسٹمنٹ ٹرسٹ کے بیان پر اعتماد کرتے ہوئے یہ سمجھتے رہے کہ چونکہ ٹرسٹ سرمایہ کاروں کی رقوم کو اچھی شہرت رکھنے والی کمپنیوں کے حصص خریدنے پر لگاتی اور ان حصص سے حاصل کردہ منافع کو اپنے اخراجات وضع کر کے یونٹ ہولڈروں میں تقسیم کرتی ہے' لہٰذا ان پر ملنے والے منافع میں سود کا عنصر شامل نہیں..... افسوس کہ یہ خیال باطل ثابت ہوا..... اب شاید لوگوں کو کوئی بھی ایسا ذریعہ دستیاب نہیں رہا جس میں وہ حرام سے بچتے ہوئے اپنی بچت کو لگا کر کم از کم اس قدر فائدہ حاصل کر سکیں جو زر کی کم ہوتی قدر کا اثر زائل کر دے یا وہ اس چھوٹ سے جائز فائدہ اٹھا سکیں جو انکم ٹیکس کا قانون بچت پر دیتا ہے ؎

حیراں ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں

●●●

منہجِ انقلابِ نبویؐ

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں اسلامی انقلاب کی جدوجہد کے رہنما خطوط

غارِ حرا کی تنہائیوں سے لیکر

مدینۃ النبیؐ میں اسلامی ریاست کی تشکیل اور اسکی بین الاقوامی توسیع تک

اسلامی انقلاب کے مراحل مدارج اور لوازم

پر مشتمل

ماہنامہ "میثاق" میں شائع شدہ

امیر تنظیم اسلامی

ڈاکٹر اسرار احمد

کے دس خطبات کا مجموعہ

قیمت : /- صفحات : (نیوز پرنٹ)

ملنے کا پتہ : مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن لاہور

خطاب جمعہ

ڈاکٹر اسرار احمد

نفاذِ شریعت آرڈیننس
ایک ہمہ پہلو جائزہ

تلخیص و ترتیب: عاکف سعید

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ بات آپ کے علم میں ہے کہ آج کل ہمارے ملک کے طول و عرض میں نفاذ شریعت آرڈیننس مجریہ ۱۵ر جون ۱۹۸۸ء موضوعِ بحث و نزاع بنا ہوا ہے اور مختلف حلقوں کی جانب سے اس کے بارے میں متضاد آراء سامنے آ رہی ہیں بلکہ سننے میں یہاں تک آ رہا ہے کہ بعض حلقے اس آرڈیننس کی مخالفت میں مظاہرے کرنے اور اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی کرنے کے بارے میں بھی سنجیدگی سے سوچ رہے ہیں چنانچہ یہ بات بعید از امکان نہیں کہ مستقبل قریب میں یہ آرڈیننس کسی ہنگامہ پرور سیاسی مہم کی بنیاد بن جائے اور نتیجۃً ملک میں سیاسی محاذ آرائی کی سی کیفیت پیدا ہو جائے۔

تائید اور مخالفت

جہاں تک اس آرڈیننس کی تائید یا مخالفت کا تعلق ہے تو ہماری معلومات کی حد تک اس کی مخالفت میں تو بڑی قوی اور توانا آوازیں بلند ہوئی ہیں اور بہت اہم گوشوں سے بلند ہوئی ہیں' لیکن تا حال کسی قابل ذکر دینی جماعت کی طرف سے اس کی تائید میں کوئی آواز نہیں اٹھی۔ اس کی تائید کرنے والے یا تو وہ سرکاری یا نیم سرکاری ادارے ہیں جو سرکاری گرانٹ سے چلتے ہیں اور یا وہ چند علماء و مشائخ ہیں جنہوں نے انفرادی حیثیت میں اس کی تائید میں بیانات دیئے ہیں..... البتہ اس کی مخالفت کرنے والوں میں:(۱) تمام وہ سیاسی جماعتیں پیش پیش ہیں جو سیکولر مزاج کی حامل ہیں' جن میں پیپلز پارٹی اور تحریک استقلال نمایاں ہیں۔ (۲) اسی طرح

مغربی تہذیب کی دلدادہ خواتین کی جانب سے بھی شدت سے اس آرڈیننس کی مخالفت کی گئی ہے۔ (۳) تیسرے نمبر پر اُن تمام مذہبی سیاسی جماعتوں کی جانب سے بھی اس کی مخالفت کی جارہی ہے جو شریعت بل کی مخالف تھیں۔ ان میں مسلک اہل حدیث سے علامہ احسان الٰہی گروپ، دیوبندی مکتب فکر سے جمعیت علماء اسلام مولانا فضل الرحمٰن گروپ اور بریلوی مکتبِ فکر سے مولانا نورانی کی جمعیت علماء اسلام شامل ہیں۔ (۴) مزید بر آں متحدہ شریعت محاذ میں شامل بعض اہم جماعتیں اور تنظیمیں بھی اس آرڈیننس کی مخالفت کرنے والوں میں شامل ہیں۔ ان میں نمایاں ترین معاملہ جماعت اسلامی کا ہے جس نے اس آرڈیننس کو پورے طور پر مسترد کر دیا ہے اور اسے اسلام کی جانب پیش رفت کی بجائے پسپائی قرار دیا ہے۔ ہماری رائے میں متحدہ شریعت محاذ کی جانب سے اس معاملے میں متفقہ موقف سامنے آنا چاہئے تھا۔ اس معاملے میں مختلف جماعتوں نے انفرادی حیثیت میں اپنے موقف کا اعلان کر کے جس بے اصولی کا ارتکاب کیا ہے اس کے نتیجے میں یہ رائے قائم کرنا غلط نہ ہوگا کہ متحدہ شریعت محاذ اصولی طور پر اب معدوم کے درجے میں آچکا ہے اور اس کی "طبعی موت" کو اس میں شریک جماعتوں کی جانب سے سند توثیق حاصل ہو چکی ہے...... جمعیت علماء اسلام مولانا درخواستی گروپ کے بعض اکابر کی جانب سے بھی اس بل کی مخالفت میں آواز بلند ہوئی ہے۔ اگرچہ باضابطہ طور پر ان کا موقف ان کے آئندہ اجلاس کے بعد ہی سامنے آئے گا۔ البتہ متحدہ شریعت محاذ میں شریک اہل حدیث اور بریلوی علماء نے آرڈیننس کی بعض کوتاہیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے بحیثیت مجموعی اسے خوش آمدید کہا ہے۔

جہاں تک اُن دینی سیاسی جماعتوں کا تعلق ہے جنہوں نے نہ صدر ضیاء کے ریفرنڈم کو قبول کیا، نہ دستور میں ان کی من مانی ترامیم کو قبول کیا اور نہ ہی غیر جماعتی بنیادوں پر ہونے والے الیکشن اور اس کے نتیجے میں بننے والی اسمبلی کو قبول کیا، تو ان کی طرف سے اس آرڈیننس کی مخالفت کی بات سمجھ میں آتی ہے لیکن وہ دینی جماعتیں جو متحدہ شریعت محاذ میں شریک رہی ہیں ان کی جانب سے اس کی مخالفت کسی طور سمجھ میں نہیں آتی۔ اس سلسلے میں جماعت اسلامی کا موقف صریحاً ناقابل فہم ہے اور ابھی تک ان کی جانب سے اپنے موقف کے حق میں واضح قسم کے دلائل بھی سامنے نہیں آئے۔ جماعت کے سرکردہ افراد کے بعض بیانات سے یہ ضرور مترشح ہوتا ہے کہ ان کی مخالفت کا ایک اہم سبب یہ ہے کہ یہ آرڈیننس شریعت بل کے ہم پلہ نہیں ہے اور اس میں شریعت بل کا بہت کم حصہ شامل ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک اس

آرڈیننس کا شریعت بل سے تقابل اصولی طور پر درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ اگر آپ شریعت بل کی خاطر اسمبلی اور سینٹ کی چند سیٹوں تک کی قربانی دینے کو تیار نہیں تھے تو اس شریعت بل کا نام لینا اور اس کی بنیاد پر اس آرڈیننس کو مسترد کر دینا آپ کے لئے ہرگز روا نہیں ہے۔ آپ حضرات کو یاد ہو گا کہ اُس موقع پر بھی میں نے تنظیم اسلامی کی جانب سے شریعت محاذ میں شریک تنظیم کی حیثیت سے اپنے اس موقف کو پوری شدت سے سامنے رکھا تھا کہ اگر آپ حضرات تحریک نہیں چلا سکتے اور شریعت بل کی خاطر اسمبلی کی سیٹوں تک کو قربان نہیں کر سکتے تو ہمارے پاس بہرحال اتنا فالتو وقت نہیں ہے کہ اسے "نشستند و گفتند و برخاستند" میں ضائع کریں۔ ہم صرف اُسی وقت اس محاذ میں عملی حصہ لیں گے جب آپ باضابطہ تحریک چلانے کا اعلان کریں گے۔ اس وقت تک صرف ہماری تائید اور دعائیں آپ حضرات کے ساتھ ہیں 'عملی شرکت سے آپ ہمیں معذور سمجھئے۔

مفتی محمد حسین نعیمی اور قاضی عبداللطیف صاحب کی جانب سے اس نفاذ شریعت آرڈیننس کی تائید بھی سمجھ میں آتی ہے۔ اس لئے کہ ان حضرات کا موقف بھی شروع سے یہ رہا ہے کہ اگر آپ لوگ تحریک نہیں چلا سکتے تو پھر ہمیں شریعت بل کے مطالبے میں لچک پیدا کرنی ہوگی اور اس کا جتنا حصہ بھی حکومت تسلیم کرے اس پر قناعت کرنی ہوگی۔ چنانچہ اس موقع پر اگر انہوں نے موجودہ آرڈیننس کی تائید کی ہے تو یہ ان کے سابقہ مؤقف سے پورے طور پر مطابقت رکھتی ہے۔

ہمارا موقف

ہمارا موقف اس معاملے میں شروع سے یہ رہا ہے' اور اسے ہم نے متحدہ شریعت محاذ میں شرکت کے وقت بھی کھول کر بیان کر دیا تھا جو اخبارات میں شائع بھی ہو گیا تھا' کہ جہاں تک ہمارا سیاسی مؤقف ہے وہ اُن سیاسی جماعتوں کے ساتھ ہے جو ریفرنڈم کو فراڈ قرار دیتے ہیں اور دستوری ترامیم کو کلی طور پر مسترد کرتے ہیں گویا اس معاملے میں ہمارا مؤقف وہی ہے جو علامہ احسان الٰہی ظہیر مرحوم یا مولانا فضل الرحمٰن یا مولانا نورانی میاں کا تھا' لیکن اس سب کے باوصف جہاں تک شریعت کا معاملہ ہے' اس کی جانب پیش رفت اگر کالے چور کی جانب سے ہوگی تو اسے بھی ہم خوش آمدید کہیں گے اور اسی بنیاد پر ہم نے متحدہ شریعت محاذ میں شمولیت اختیار کی تھی...... اب بھی ہمارا موقف بالکل یہی ہے کہ ہم اس نفاذ شریعت آرڈیننس کو شریعت کی جانب ایک مزید پیش رفت سمجھتے ہیں اور اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ یہ آرڈیننس بے سروپا بھی ہے

اور ناقص بھی، لیکن چونکہ بہر حال یہ شریعت کی جانب ایک قدم ہے لہٰذا ہم اسے خوش آمدید کہتے ہیں اور اس کی مخالفت کو کسی طرح بھی جائز نہیں سمجھتے...... یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ آرڈیننس کو محض خوش آمدید کہنا اور اس کی عملی تائید کرنا دو جدا جدا باتیں ہیں۔ اور جہاں تک اس شخصیت کی تائید کا تعلق ہے جس نے یہ آرڈیننس نافذ کیا ہے تو یہ بالکل ہی الگ معاملہ ہے..... چنانچہ ہم اسے خوش آمدید ضرور کہتے ہیں، لیکن ہماری تائید چند شرائط کے ساتھ مشروط ہے، جن کی وضاحت آگے آئے گی۔

دستورِ پاکستان اور شریعتِ اسلامی

پاکستان کی دستوری و قانونی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والا ہر فرد جانتا ہے کہ اس ملک میں شریعت کی جانب پیش رفت کا آغاز "قرار دادِ مقاصد" سے ہوا تھا۔ اس قرارداد میں اللہ کی حاکمیت کے اصول کو ملک کی اعلیٰ سیاسی سطح پر متفقہ طور پر منظور کیا گیا تھا اور بلاشبہ یہ شریعت کی جانب ایک بہت اہم مثبت پیش رفت تھی۔ اگرچہ اس میں یہ کمی رہ گئی تھی کہ "لا الٰہ الا اللہ" کا مفہوم تو پورے طور پر موجود تھا لیکن "محمد رسول اللہ" صلی اللہ علیہ وسلم کے تقاضوں کو اس میں واضح طور پر نہیں سمویا گیا تھا..... پھر ۱۹۵۶ء میں دستوری سطح پر ایک پیش رفت ہوئی اور دستور کے رہنما اصولوں میں یہ دفعہ شامل کی گئی کہ "اس ملک میں قرآن و سنت کے منافی کوئی قانون سازی نہیں کی جا سکے گی۔" نفاذ شریعت کے ضمن میں یہ نہایت موزوں اور مثبت دفعہ تھی لیکن اسے کیا کیجئے کہ اس دفعہ کی حیثیت محض 'DIRECTIVE PRINCIPLE' کی تھی، اسے 'OPERATIVE CLAUSE' کا درجہ نہیں دیا گیا تھا۔

پھر جناب ضیاء الحق صاحب نے اپنے دورِ اقتدار میں ایک قدم اور بڑھایا اور اسے جزوی طور پر OPERATIVE قرار دیا..... اس کا کریڈٹ بہر حال انہی کو جاتا ہے اور اگرچہ ہمیں اس پہلو سے ان کے اس اقدام پر شدید اعتراض تھا کہ انہوں نے عائلی قوانین اور مالی قوانین جیسے اہم معاملات کو شریعت کورٹس کے دائرہ سے مستثنیٰ قرار دے کر دین و شریعت کے ساتھ کسی درجے میں بھی مخلصانہ معاملہ نہیں کیا تھا بلکہ ہماری رائے میں اس اقدام سے وہ اُس وعید کا ہدف بن رہے تھے جو سورۃ البقرہ میں ان الفاظ میں وارد ہوئی ہے کہ "کیا تم کتاب و شریعت کے ایک حصے کو مانتے ہو اور ایک کا انکار کرتے ہو۔ تو تم میں سے جو اس حرکت کا ارتکاب کرے اس کی سزا اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتی کہ دنیا کی زندگی میں ذلت و رسوائی اس کا مقدر بنے اور آخرت میں اسے شدید ترین عذاب میں جھونک دیا جائے۔" تاہم اس تمامتر نقص کے

باوجود بھی ہماری رائے میں اسے نفاذ شریعت کی جانب پیش رفت ہی میں شمار کیا جائے گا۔ اس کے بعد نویں ترمیم کابل اسمبلی میں پیش ہوا۔ آپ حضرات کو یاد ہو گا کہ ہم نے اسے بھی خوش آمدید کہا تھا اور اسے نفاذ شریعت کی راہ میں مثبت پیش رفت قرار دیا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ بیل منڈھے نہ چڑھ سکی اور وہ بل کہیں فائلوں میں دب کر رہ گیا۔ اب حالیہ آرڈیننس کے ذریعے چونکہ عائلی قوانین کو بھی ہائی کورٹس کے دائرہ کار میں شامل کر دیا گیا ہے لہٰذا ہم اسے بھی شریعت کی جانب ایک مثبت پیش رفت سمجھتے ہیں...... اور ہمارے نزدیک اگر اس آرڈیننس کے پس منظر اور اسے نافذ کرنے والی شخصیت کے معاملے کو درمیان سے ہٹا دیں تو ہماری رائے میں عدالتوں کو یہ اختیار مل جانا کہ وہ کسی بھی قانون کے بارے میں' دلائل سننے کے بعد' اس کے خلاف قرآن و سنت ہونے کا فیصلہ سنا سکیں' ایک اہم مثبت پیش رفت ہے۔

"بے سروپا" اور ناقص آرڈیننس

لیکن اس کے ساتھ ہی ہماری رائے یہ بھی ہے کہ یہ ایک بے سروپا اور ناقص آرڈیننس ہے۔ یہ بے سر اس اعتبار سے ہے کہ اس کے سر پر دستور مسلّط ہے اور یہ اپنا سر دستور سے اونچا نہیں کر سکتا ع "چلی ہے رسم کہ کوئی نہ سر اٹھا کے چلے"۔ یہی سبب ہے کہ فیڈرل شریعت کورٹ اور ہائی کورٹس میں ثنویّت (DUALITY) کا معاملہ برقرار رکھا گیا ہے حالانکہ چاہئے تو یہ تھا کہ شریعت کورٹس ختم کر کے تمام معاملات براہ راست ہائی کورٹس کے دائرہ اختیار میں دے دیئے جاتے اس لئے کہ شریعت کورٹس کا مقام وہ نہیں ہے جو ہائی کورٹس کا ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملے میں آئین ہی رکاوٹ بن کر حائل ہوا ہے۔ اسی طرح یہ معاملہ کہ اگرچہ ہائی کورٹس کے لئے فیصلے کی مدت (۶۰ دن) معین کر دی گئی ہے لیکن سپریم کورٹ کے لئے وقت کی کوئی حد طے نہیں کی گئی' ظاہر کرتا ہے کہ آئین کی جانب سے کچھ رکاوٹیں بہرحال موجود ہیں اور اس کا اظہار خود وزیر مذہبی امور کی جانب سے بھی برملا ہو چکا ہے...... اس آرڈیننس کے پیروں نہیں ہیں کہ اس کے لئے کوئی مضبوط بنیاد موجود نہیں ہے۔ اس کی حیثیت ایک عارضی دور کے صدارتی آرڈیننس کی ہے جو پورے طور پر آئندہ اسمبلی کے رحم و کرم پر ہے...... اس اعتبار سے اس کی مثال بکری کے اس نوزائیدہ بچے کی سی ہے جس کی ٹانگیں بری طرح کانپ رہی ہوتی ہیں...... اور یہ آرڈیننس ناقص اس پہلو سے ہے کہ مالی معاملات میں اصلاح کی کوئی سنجیدہ کوشش اس میں نظر نہیں آتی بلکہ محض دکھاوا معلوم

ہوتا ہے۔ اس لئے کہ یہ فیصلہ کہ مالی معاملات میں شریعت کے فیصلے سے پہلے سے طے شدہ معاملات متاثر نہیں ہوں گے اور ماضی کے تمام سودی لین دین معاہدوں کے مطابق برقرار رہیں گے، قرآن و سنت کے منشا کے صریحاً خلاف ہے...... جہاں تک بین الاقوامی مالیاتی معاملات کا تعلق ہے اس میں کسی درجے میں عذر موجود ہے لیکن اندرون ملک جہاں آپ کو اختیار حاصل ہے، کسی شے کی حرمت کے فیصلے کے بعد سابقہ معاملات کو برقرار رکھنا کتاب و سنت کی واضح نفی ہے۔ یہ دراصل سرمایہ داروں اور سود خوروں کو مطمئن کرنے کا ایک حربہ معلوم ہوتا ہے کہ مطمئن رہو تمہارے مفادات پر آنچ نہیں آئے گی۔ حالانکہ قرآن کا صریح فیصلہ ہے کہ سود کی حرمت کے اعلان کے بعد صرف راس المال واپس کیا جائے گا، سود فی الفور ختم کرنا ہوگا۔ بہرحال اس آرڈیننس کے ذیل میں ہماری تائید و حمایت اس معاملے کے ساتھ مشروط رہے گی کہ مالی معاملات میں فوری طور پر ضروری اصلاح کی جائے اور اس سے متعلق شریعت کے فیصلوں کو سابقہ معاہدات اور معاملات پر بھی مؤثر قرار دیا جائے۔

صدر ضیاء الحق کا ماضی

اب ذرا ایک جائزہ اس پہلو سے ہو جائے کہ وہ شخصیت جو اس کا کریڈٹ لے رہی ہے کیا واقعتاً یہ کریڈٹ اسے پہنچتا ہے اور کیا اس کے لئے یہ زیبا ہے کہ وہ اپنے آپ کو اسلام کا شیدائی اور فدائی قرار دے!...... ہمارے نزدیک فدائیت کا یہ دعویٰ قطعاً بے بنیاد ہے۔ اس لئے کہ صدر صاحب آج پہلی بار اس دعوے کے ساتھ ہمارے سامنے نہیں آئے بلکہ ان کا سابقہ ریکارڈ ہمارے سامنے ہے۔ اگرچہ کسی سے سوء ظن رکھنا اسلام میں پسندیدہ نہیں ہے لیکن کیا کریں کہ پورا گیارہ سالہ دور اقتدار ان کے دعوے کی تکذیب کرتا نظر آتا ہے۔ گیارہ برس پیچھے جائیے، سب سے پہلے تو انہوں نے وہ تین سالہ ابتدائی نہایت قیمتی وقت ضائع کر دیا جب ۷۷ء کی تحریک نظام مصطفیٰ کا جوش و جذبہ بھرپور طور پر عوام میں موجزن تھا۔ اس موقع پر اگر شریعت کا نفاذ کر دیا جاتا تو کسی کو اس کے خلاف آواز اٹھانے کی جرأت نہ ہوتی، اس لئے کہ ایک عظیم عوامی دباؤ پشت پر موجود تھا۔ اس کے بعد بھی پانچ برس انہیں ایسے ملے کہ جس کے دوران وہ مقتدر اعلیٰ بلکہ نعوذ باللہ "قادر مطلق" تھے۔ اور واقعتاً انہیں وہ اختیارات حاصل تھے جو کسی ملک کے کسی سربراہ کو حاصل نہیں ہوتے، لیکن یہ پورا عرصہ نہایت نیم دلانہ انداز میں گزارا گیا۔ شریعت کورٹ بنائی تو عائلی قوانین تک کے معاملے میں اس کے ہاتھ باندھ دیئے گئے۔ حالانکہ انسانی زندگی کے کسی اور گوشے کے بارے میں قرآن و سنت میں اتنی تفصیلی

ہدایات نہیں ملتیں جتنی عائلی معاملات میں ہدایات دی گئی ہیں لیکن صدر صاحب کا عذر یہ تھا کہ "خواتین کو کون مطمئن کرے گا۔" اناللہ وانا الیہ راجعون...... نفاذ شریعت کا دوسرا بہت بڑا موقع ان کے لئے وہ تھا جب وہ سول حکومت کو اقتدار میں شریک کر رہے تھے۔ اس وقت انہوں نے جس انداز میں سودے بازی کی' آٹھویں ترمیم جس طور سے نومنتخب نمائندوں سے منظور کروائی جس کے ذریعے مارشل لاء کے دور کے اپنے تمام اقدامات کے لئے تحفظ فراہم کیا' شریعت کے اتنے ہی فدائی تھے تو وہ وقت تھا کہ ان سے اگر نفاذ شریعت کا بل بھی منظور کراتے تو وہ پارلیمینٹ ہر حال میں اسے قبول کرتی' اس لئے کہ اقتدار کی جھلک نظر آنے لگی تھی اور لیلائے اقتدار سے ہمکنار ہونے کے لئے ہمارے وہ نمائندے بہت بے چین تھے جنہوں نے الیکشن لاکھوں بلکہ کروڑوں کے صَرف سے جیتا تھا۔ اگر اس موقع پر شریعت کی بالادستی تسلیم کرالی جاتی تو آج اس آرڈیننس کے پاؤں بہت مضبوط ہوتے...... اسی طرح اگر ضیاء الحق صاحب واقعتاً نفاذ شریعت کے معاملے میں مخلص ہوتے تو بعد میں اسمبلی میں اپنے اثرات اور اثرو رسوخ کے بل پر شریعت بل کو بھی کسی نہ کسی قابل قبول شکل میں منظور کرا سکتے تھے' اس لئے کہ ارکان اسمبلی میں بہرحال ان کی ایک مضبوط لابی موجود تھی اور کچھ نہ سہی تو کم از کم اُس ترمیم شدہ شریعت بل ہی کو نافذ کرانے کے لئے عملی کوشش فرماتے جس کی جونیجو حکومت نے پیش کش کی تھی۔ اس پس منظر میں اگر کہنے والے یہ کہتے ہیں کہ اصل میں اس کا پورا کریڈٹ وہ خود لینا چاہتے تھے تو یہ بات بے بنیاد بھی نہیں ہے۔

بلکہ اس تناظر میں ان لوگوں کی رائے کو تقویت ملتی ہے جن کے خیال میں یہ نفاذ شریعت آرڈیننس صرف اپنے دور اقتدار کو طول دینے کا ایک حربہ اور ذریعہ ہے۔

توبہ کی شرائط

لیکن اس سب کے باوجود یہ بات بعید از امکان قرار نہیں دی جا سکتی کہ ہو سکتا ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے فی الواقع توبہ کی توفیق دے دی ہو اس لئے کہ درِ توبہ ہر شخص کے لئے کھلا ہے اور موت کے واضح آثار کے آغاز سے پہلے پہلے توبہ کی قبولیت کی نبویؐ نوید ہر شخص کے لئے موجود ہے۔ چنانچہ اگر وہ واقعتاً توبہ کریں تو ہمیں ان کی توبہ پر شک کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ لیکن صحیح توبہ کے لئے لازم ہے کہ: اولاً وہ معصوم انداز میں اسلام کے شیدائی بننے کی بجائے اپنی خطاؤں کا برملا اعتراف کریں اور علیٰ رءوس الاشہاد اللہ کی جناب میں توبہ کریں۔

ثانیاً اپنے عمل میں فوری اصلاح کریں۔ اس لئے کہ قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر عمل صالح کو توبہ کی دلیل کے طور پر لایا گیا ہے۔ عمل میں اصلاح کے ذیل میں اگر وہ دو باتوں کا اہتمام کریں تو ہم یہ باور کرنے کو تیار ہیں کہ انہوں نے صحیح توبہ کی ہے۔ ایک یہ کہ موجودہ دستور نے انہیں بحیثیت صدر مملکت جو غیر اسلامی اختیارات اور مراعات دی ہیں' ان سے فوری طور پر رضا کارانہ دستبردار ہو جائیں۔ یہ درست ہے کہ آپ آئین میں ترامیم کرنے کے مجاز نہیں ہیں لیکن خلافِ اسلام اختیارات و مراعات سے از خود دستبردار ہونے میں آپ کے لئے کوئی رکاوٹ موجود نہیں ہے۔ اور دوسرے یہ کہ آپ اپنی ذات پر اسلام کو نافذ کرتے ہوئے اس سنتِ موکدہ کا التزام کیجئے جس کا ترک آپ کے اپنے منتخب کردہ علماء کے نزدیک بھی گناہ کبیرہ کے درجے کو پہنچتا ہے۔ داڑھی کے معاملے میں آپ جس عالم سے چاہے فتویٰ لیں جواب آپ کو ایک ہی ملے گا۔ اسی طرح اپنے گھر میں ستر و حجاب کے احکام نافذ کیجئے اور اس کے ساتھ ساتھ جن لوگوں کو آپ موجودہ عبوری حکومت میں آگے لا رہے ہیں اور انہیں اہم ذمہ داریاں سونپ رہے ہیں' انہیں بھی شریعت کے ان احکام کا پابند بنایئے۔

ثالثاً یہ کہ مالی معاملات کے ضمن میں فوری طور پر ضروری ترمیم کیجئے اور ان معاملات میں شریعت کے فیصلوں کو سابقہ معاہدات و معاملات پر بھی مؤثر قرار دیجئے اس لئے کہ اس معاملے میں رعایت "مداہنت فی الدین" کے ذیل میں آئے گی..... اور رابعاً..... اگرچہ ہماری شرائط میں یہ آخری شرط ہے لیکن پاکستان کی سالمیت کے اعتبار سے اہم ترین ہے..... یہ کہ خدارا اس اقدام کو جمہوری اور دستوری عمل سے انحراف کا ذریعہ نہ بنایئے۔ اس لئے کہ اگر اس اقدام کو جمہوریت کی گاڑی کو پٹڑی سے اتارنے اور مارشل لاء کی راہ ہموار کرنے کا ذریعہ بنا لیا گیا تو شدید اندیشہ ہے کہ سندھ کے حالات کے پیش نظر پاکستان کی سالمیت کے اعتبار سے یہ اونٹ کی کمر پر آخری تنکا ثابت ہو گا۔ سندھ میں سندھی اور غیر سندھی میں کشیدگی اس آخری درجے کو پہنچ چکی ہے جو کبھی ہندو مسلم معاشرے میں ہُوا کرتی تھی۔ کسی شخص کا محض اس بنیاد پر قتل کر دیا جانا کہ وہ غیر سندھی ہے اور اس کا تعلق مہاجروں' پٹھانوں سے ہے' انتہائی خوفناک صورت حال کی علامت ہے۔ ان حالات میں اگر طاقت کے استعمال پر انحصار کیا گیا تو اس کے نتائج بھی نہایت ہولناک ہوں گے۔ اس صورت حال کا صرف ایک ہی ممکن حل ہے اور وہ ہے سیاسی عمل کا اجراء۔ گویا معروف جمہوری اصولوں کے مطابق ایک صاف ستھرا الیکشن ہی وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔

بہر کیف یہ وہ شرائط اور تقاضے ہیں کہ ان کو اگر صدر صاحب پورا کرتے ہیں تو ہم یہ تسلیم کر لیں گے کہ انہوں نے واقعتاً صحیح توبہ کی ہے' تب ہماری تائید بھی انہیں حاصل ہوگی لیکن اگر وہ ان سے گریز کی روش اختیار کرتے ہیں تو ہم یہ سمجھنے میں حق بجانب ہوں گے کہ نفاذ شریعت آرڈیننس کی شکل میں انہوں نے جو قدم اٹھایا ہے وہ کوئی مخلصانہ کوشش نہیں ہے بلکہ اپنے ذاتی مفادات کو تحفظ دینے اور اپنے دور اقتدار کو طول دینے کا ایک حربہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں برے انجام سے اپنی پناہ میں رکھے اور ان لوگوں کو جن کے ہاتھ میں اس ملک کی زمام کار ہے صحیح فیصلہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

سیاست وردی اتار کر

حالات کے پیش نظر یہ بات بھی خارج از امکان نہیں ہے کہ صدر صاحب کسی وقت بھی خود سیاست کے میدان میں قدم رکھنے کا اعلان فرمادیں۔ سردار عبدالقیوم صاحب اور جنرل (ریٹائرڈ) فضل حق صاحب کے بیانات اس جانب واضح اشارات دے رہے ہیں' اور حقیقت تو یہ ہے کہ صدر صاحب کو نہ صرف سیاست میں آنے کا پورا حق حاصل ہے بلکہ اس کی اہلیت بھی پورے طور پر ان میں موجود ہے۔ لیکن میدان سیاست میں راست داخلے کے لئے ضروری ہو گا کہ وہ فوجی وردی اتار کر اس کوچے میں قدم رکھیں بصورت دیگر یہ اعتراض باقی رہے گا کہ وہ سیاست کے پردے میں اپنی فوجی حیثیت کو بروئے کار لا رہے ہیں...... انہیں یہ حق بجا طور پر حاصل ہے کہ اپنی سیاسی جماعت بنائیں' کوئی انہیں نہیں روکے گا۔ آخر کنونشن لیگ بھی ایک دن میں بن گئی تھی' لہٰذا ان کے لئے بھی جماعت بنانے کا پورا امکان موجود ہے لیکن ان سے گزارش یہی ہے کہ وہ وردی اتار کر آئیں اور سیاست کو سیاست کے انداز میں کریں۔ اپنی صلاحیت اور اہلیت کو راست انداز میں بروئے کار لائیں اور اگر وہ اس میدان میں آکر تحریک پاکستان کے جذبے کو دوبارہ سیاسی سطح پر زندہ کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو چشم ما روشن دل ماشاد۔ ہمیں توقع ہے کہ اس صورت میں انہیں بھرپور عوامی تائید بھی حاصل ہو جائے گی اور وہ مضبوط بنیاد بھی فراہم ہو جائے گی جس کا ابھی تک فقدان نظر آتا ہے۔

سرکاری مفتی کا عہدہ

آخر میں ایک گذارش مجھے علماء کرام کی خدمت میں بھی کرنی ہے اور وہ یہ کہ ان کے لئے میرا مخلصانہ مشورہ یہ ہے کہ وہ دین کے مفاد کے پیش نظر سرکاری مفتی یا ڈپٹی اٹارنی کے

عہدے قبول کرنے سے انکار کر دیں۔ اس میں یقیناً بعض اعتبارات سے ان کے لئے بظاہر کشش کے کچھ پہلو موجود ہیں لیکن مجھے شدید اندیشہ ہے سرکاری مفتی کا لفظ ہمارے معاشرے میں بہت جلد ایک گالی بن کر رہ جائے گا۔ اس لئے کہ علماء کرام کی صفوں میں جہاں نہایت مخلص اور متدین رجال دین کی موجودگی سے انکار نہیں کیا جا سکتا وہاں علماء سوء کی موجودگی بھی ایک تلخ حقیقت کا درجہ رکھتی ہے اور اس نوع کے چند افراد بھی اگر اس کوچے کو بدنام کرنے کا باعث بن گئے تو معاشرے میں علماء کا رہا سہا وقار و احترام بھی خطرے میں پڑ جائے گا..... ویسے بھی میری رائے میں اس حیثیت میں علماء کرام اسلام کی کچھ زیادہ خدمت نہ کر پائیں گے۔ اس لئے کہ سرکاری مفتی کا کام صرف سفارشات پیش کرنا ہے، اسے تنفیذِ فیصلہ کا کوئی اختیار حاصل نہ ہو گا..... اور جہاں تک سفارشات پیش کرنے کا تعلق ہے تو یہ کام علماء سرکاری منصب کی تہمت اٹھائے بغیر بھی کر سکتے ہیں..... انہیں قانونی طور پر یہ حق حاصل ہے کہ وہ کسی بھی مسئلے میں قرآن و سنت کے منشاء کے اظہار کے لئے عدالت میں جا کر اپنے دلائل پیش کریں..... اس کے لئے سرکاری مفتی کا لبادہ اوڑھنا میرے نزدیک قطعاً غیر ضروری ہے..... بلکہ اگر حضرت مسیح علیہ السلام کے یہ حد درجہ بلیغ اور پُر از نصیحت الفاظ پیش نظر رہیں کہ "تم نے مفت پایا ہے، مفت تقسیم کرو" تو ہر اعتبار سے مناسب اور معقول روش یہی معلوم ہوتی ہے کہ یہ کام خدمتِ دین کے جذبے کے ساتھ کسی دنیاوی اجر کی امید کے بغیر کیا جائے..... میری دانست میں سرکاری مفتی یا ڈپٹی اٹارنی کا عہدہ قبول کرنے کی بجائے علماء کے لئے شرعی عدالتوں میں وکالت کا راستہ اختیار کرنا زیادہ موزوں اور مناسب معلوم ہوتا ہے..... اس لئے کہ وکیل کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے موکل کے لئے قانون میں موجود ممکنہ گنجائش تلاش کرے اور اسے ماہرانہ مشورہ دے..... چنانچہ وہ اپنی مہارت اور محنت کے عوض میں اس سے فیس وصول کرتا ہے۔ علماء بھی اگر اپنی فقہی و قانونی مہارت کو اس طور سے بروئے کار لائیں تو میری رائے میں یہ ہر اعتبار سے صاف ستھرا اور مناسب طریقہ ہے اور اس میں کوئی قباحت معلوم نہیں ہوتی..... لیکن علماء کرام کے لئے سرکاری مفتی یا ڈپٹی اٹارنی کا عہدہ قبول کرنا نہ صرف یہ کہ مجھے اسلاف کی روایات کے خلاف معلوم ہوتا ہے بلکہ مآل کار کے اعتبار سے مجھے اس میں خدمت دین کی بجائے تنقیصِ دین کا پہلو زیادہ نظر آتا ہے..... اللہ تعالیٰ ہمیں دین کا صحیح شعور عطاء فرمائے اور صحیح فیصلوں تک پہنچنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

امیر تنظیمِ اسلامی کے

بعض ذاتی اور خاندانی کوائف

اُن کے اپنے قلم سے!

(قسطِ اوّل)

'میثاق' کا گزشتہ شمارہ 'ندا نمبر' تھا۔ جس کے 'عرضِ احوال' میں امیرِ تنظیمِ اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے ہفت روزہ 'ندا' کے اجراء کا پس منظر اور تنظیمِ اسلامی کی دعوت وتحریک کے ضمن میں اس کی اہمیت پر اظہارِ خیال کیا تھا۔ اس کا اختتام حسبِ ذیل الفاظ پر ہوا تھا۔

"۔۔۔ ندا کے ساتھ ساتھ کچھ تعارف "صاحبِ ندا" کا بھی مناسب ہے ۔۔۔ کچھ اس سبب سے کہ اس کے بغیر خود "ندا" کا تعارف بھی نامکمل ہے' اور کچھ اس بنا پر کہ برادرِ عزیز اقتدار احمد نے "ندا" کے دسویں شمارے میں جو چند جملے راقم کے بارے میں تحریر کیے ہیں' ان سے پُرانی یادوں کے بہت سے دریچے وا ہو گئے' اور اپنی خاندانی زندگی کے بہت سے بھُولے بسرے واقعات کی فلم پردۂ ذہن پر چلنے لگی۔ اور یہ احساس شدّت کے ساتھ پیدا ہوا کہ یہ حقائق و واقعات تنظیمِ اسلامی کے رفقاء و احباب کے علم میں آنے ضروری ہیں اس لیے کہ "بیعت" کی بنیاد پر قائم ہونے والی تنظیم میں داعی کی زندگی کے اہم حالات و واقعات کا "مبایعین" کے علم میں ہونا مناسب اور مفید ہی نہیں نہایت ضروری ہے۔!

محترم امیرِ تنظیم نے اس موضوع پر قلم اٹھایا تو بات طویل ہوتی چلی گئی۔ اور وہ اس کی اشاعت کے بارے میں متردّد بھی ہوئے۔ لیکن تنظیم کے بہت سے سینئر اور ذمہ دار رفقاء کا خیال ہے کہ اس کی اشاعت ضروری ہے۔ اس لیے کہ بہت سے رفقاء کے ذہنوں میں بعض سوالات موجود ہیں یا انہیں اُن سے اپنی دعوتی مساعی کے ضمن میں سابقہ پیش آتا ہے' اس تحریر سے 'اِنشاء اللہ' ایسے بہت سے سوالات کی وضاحت ہو جائے گی ۔۔۔ بہر حال اس کی قسطِ اوّل تو حاضر ہے۔ رفقاء و احباب دعا کریں کہ امیرِ محترم اس کی تسوید مکمل کر لیں۔

(ادارہ)

ہمارے خاندان کا مولانا مودودی مرحوم کی تصانیف اور ان کی دعوت و تحریک سے اولین تعارف بڑے بھائی اظہار احمد صاحب کے ذریعے ہوا۔ جنہوں نے اپنی انجینئرنگ کی تعلیم کے دوران جماعت اسلامی کے لٹریچر کو نہ صرف پڑھ لیا تھا' بلکہ اپنی محنتی طبیعت کے مطابق اس کے مفصل نوٹس تیار کر کے گویا اسے اچھی طرح ہضم بھی کر لیا تھا..... ۱۹۴۷ء کے وسط میں وہ تعلیم سے فارغ ہوئے' اور پھر تین چار ماہ تقسیم ہند کے حوادث سے دوچار رہنے کے بعد اسی سال کے اواخر میں ایک جانب محکمہ نہر میں ایس ڈی او کے عہدے پر فائز ہو گئے..... اور دوسری جانب جماعت اسلامی کے رکن بن گئے!

جماعت سے تعلق کے ضمن میں ان کے ساتھ ایک عجیب حادثہ یہ پیش آیا کہ جب حکومت نے جماعتِ اسلامی کو سیاسی جماعت قرار دے کر سرکاری ملازمین کے لئے اس کی رکنیت ممنوع کر دی تو انہوں نے اپنی ذاتی اور خاندانی مجبوریوں کے باعث رکنیت سے استعفیٰ دے دیا..... لیکن ۱۹۵۱ء میں جب جماعت نے پنجاب کے انتخابات میں زور شور سے حصہ لیا تو وہ اپنے جذبات کو قابو میں نہ رکھ سکے اور انہوں نے اپنی ذاتی کار انتخابی مہم میں استعمال کے لئے جماعت کے حوالے کر دی' جس کی پاداش میں وہ سرکاری ملازمت سے برخواست کر دیئے گئے!..... بعدازاں شدید محنت و مشقت اور اپنی فنی مہارت و قابلیت کے بل پر اپنی آزاد معیشت کو استوار کرنے کے بعد وہ دوبارہ جماعت کے رکن بنے تو اس بار جماعت کی پالیسی اور طریق کار کے ضمن میں جو شدید اختلاف ۵۷ - ۱۹۵۶ء میں رونما ہوا تھا اس کا شکار ہو گئے اور نہایت مایوس اور بددل ہو کر دوبارہ علیحدہ ہو گئے اور اس بار ان کی مایوسی اور بددلی اتنی شدید تھی کہ انہوں نے باضابطہ استعفیٰ تحریر کرنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی!

وہ دن اور آج کا دن' ان کی جملہ صلاحیتیں اپنے فن اور کاروبار کے لئے وقف ہو کر رہ گئیں..... اور اگرچہ پالیسی کے اختلاف کے ضمن میں ان کی رائے صدفی صد راقم کی رائے کے مطابق تھی' چنانچہ اجتماع ماچھی گوٹھ میں جو چند ووٹ راقم کو ملے تھے ان میں سے ایک ان کا بھی تھا..... لیکن اس کے بعد ان میں تحریکی داعیہ دوبارہ کبھی پیدا نہ ہو سکا' اور اس معاملے میں انہوں نے' غالباً اپنے داخلی جذبات کو دبانے ہی کی خاطر' اپنے آپ پر ایک مصنوعی لاابالیانہ انداز طاری کر لیا' جس نے بعدازاں ان کی طبیعت ثانیہ کی حیثیت اختیار کر لی۔

۱۹۷۰ء کے انتخابات کے موقع پر ایک بار پھر ان کے جذبات کی باسی کڑھی میں ایک

عارضی سا ابال آیا تھا جس کی بنا پر انہوں نے جماعت اسلامی کے ٹکٹ پر قومی اسمبلی کی ایک نشست کے لئے بڑے جوش و خروش اور جذبہ و شوق کے ساتھ حصہ لیا تھا۔ لیکن انتخابات کے نتائج نے انہیں پہلے سے بھی زیادہ مایوس اور بددل کر دیا..... چنانچہ کچھ اسی مایوسی اور بددلی' اور کچھ بعض دوسری نفسیاتی پیچیدگیوں کے باعث وہ راقم کی دعوت و تحریک کے ساتھ' اس سے نظری طور پر بہت حد تک متفق ہونے کے باوجود تا حال عملاً منسلک نہیں ہو پائے!

....

یہ بھی یقیناً راقم پر اللہ تعالیٰ کے عظیم فضل و احسان کا مظہر ہے کہ اس کے باقی تینوں حقیقی بھائی' واحد حقیقی چچازاد بھائی سمیت' اُس کے مشن میں عملاً شریک و شامل اور تنظیم اسلامی سے باضابطہ منسلک ہیں۔

ان میں سب سے چھوٹے یعنی ڈاکٹر ابصار احمد سے رفقائے تنظیم و انجمن' اور قارئین "میثاق" و "حکمت قرآن" بخوبی واقف ہیں' اس لئے کہ وہ تنظیم اسلامی میں باضابطہ شامل ہونے کے ساتھ ساتھ قرآن اکیڈمی کے اعزازی ڈائریکٹر اور "حکمت قرآن" کے اعزازی مدیر بھی ہیں۔

عمر میں ان سے بڑے ہمارے واحد عم زاد مظفر احمد منور ہیں جو کراچی یونیورسٹی کے انتظامی شعبے سے منسلک اور تنظیم اسلامی کراچی سے وابستہ ہیں۔ کچھ عرصہ قبل تک وہ نہایت فعال کارکن تھے..... لیکن اولاً اپنی والدہ مرحومہ کی شدید اور طویل علالت' پھر اپنی اہلیہ کی ناسازئ طبع اور پھر اپنے ایک چھوٹے بچے کی پریشان کن علالت کے باعث اگرچہ زیادہ فعال نہیں رہے..... تاہم نظم کی پابندی میں ہرگز کوئی کوتاہی نہیں کرتے!

ان سے بڑے یعنی برادرم وقار احمد اگرچہ نہایت کم گو ہونے کے باعث زیادہ نمایاں نہیں ہیں' لیکن واقعہ یہ ہے کہ چوالیس پینتالیس برس کی عمر میں' جوان بچوں کے باپ اور دو نواسوں کے نانا ہونے کے باوجود' اور ایک معروف تعمیراتی فرم کے ڈائریکٹر اور کاروباری اعتبار سے نہایت مصروف ہونے کے باوصف انہوں نے جس طالب علمانہ شان کے ساتھ قرآن اکیڈمی کا دو سالہ تعلیمی کورس امتیازی حیثیت میں مکمل کیا' وہ ان کی سعادت' دین کے ساتھ لگن اور راقم کے مشن کے ساتھ گہری وابستگی کا بیّن ثبوت ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے فضل و کرم سے اُن کی زبان کا "عقدہ" کھول دے اور اُن کی طبیعت کی جھجک دور

فرمادے توانشاء اللہ وہ قرآن حکیم کے درس و تدریس اور تعلیم و تعلّم کے میدان میں نہایت نمایاں خدمت سرانجام دے سکیں گے۔ (جس کا آغاز انہوں نے 'بحمد اللہ' اپنے بچوں اور بچیوں کو عربی زبان اور ترجمۂ قرآن کی تدریس کی صورت میں کر بھی دیا ہے۔)

ان میں سب سے بڑے'..... اور مجھ سے متصلاً چھوٹے ہیں مدیرِ "ندا" برادرم اقتدار احمد 'جن کے ساتھ حقیقی بھائی ہونے کے اساسی رشتے پر مستزاد راقم کے چار مزید رشتے قائم ہو چکے ہیں 'یعنی ان کی دو بچیاں میرے دو بیٹوں کے گھروں کی زینت ہیں اور میری دو بچیاں ان کی بہوئیں ہیں 'لیکن ان جملہ رشتوں سے اہم تر معاملہ یہ ہے کہ وہ میرے نہایت دیرینہ معاون اور رفیق کار ہیں 'اور تحریک اسلامی کے ساتھ ان کا تعلق بھی تقریباً اتنا ہی قدیم ہے جتنا خود میرا!

....

چنانچہ جن دنوں راقم میڈیکل اسٹوڈنٹ کی حیثیت سے اسلامی جمعیت طلبہ کا فعال کارکن تھا' وہ بھی ہائی اسکول کے طالب علم کی حیثیت سے سرگرم کار تھے۔ اور ۵۱-۵۰ کی انتخابی مہم میں بھی انہوں نے انتھک کام کیا تھا..... اور دسمبر ۵۱ء کی اُس دس روزہ تربیت گاہ میں بھی شرکت کی تھی جو راقم نے بحیثیت ناظم جمعیت لاہور منعقد کی تھی اور جس کے نہایت دوررس اثرات خود راقم کی شخصیت اور بعد کی زندگی کے رخ پر مترتب ہوئے تھے!

۵۲ء میں میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد کچھ خاندانی حالات اور زیادہ تر ذاتی نفسیاتی الجھنوں کے باعث نہ صرف یہ کہ ان کی تعلیم کا سلسلہ منقطع ہو گیا بلکہ کچھ عرصہ وہ نہایت شدید نفسیاتی بحران کا شکار رہے۔ راقم کو نہایت شدت کے ساتھ احساس تھا کہ ان کی نفسیاتی الجھنوں کے پیدا ہونے میں کچھ حصہ الفاظ قرآنی "اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِیْ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ" (سورۂ صٓ : ۲۴) اور فارسی مقولے "سگ باش برادر خورد مباش!" کے مصداق ہم بڑے بھائیوں..... بالخصوص راقم کا بھی تھا۔ لہٰذا راقم نے اس کی تلافی اور ان کی دلجوئی کی ہر ممکن کوشش کی اور ان ہی مساعی کے سلسلے کی ایک کڑی کے طور پر سردار محمد اجمل خان لغاری مرحوم و مغفور کے ساتھ اپنے ذاتی مراسم اور رسوخ کو بروئے کار لا کر مولانا محمد ایوب صاحب کی صاحب زادی سے ان کی شادی کا اہتمام کیا۔ (مولانا ان دنوں سردار صاحب کے یہاں تدریسی خدمات سرانجام دے رہے تھے! اور جماعت اسلامی کے

ساتھ فعال وابستگی رکھتے تھے۔) اور بحمد للہ! اس کے نہایت صحت مند نتائج ظاہر ہوئے...... اور نہ صرف یہ کہ آنعزیز کی زندگی کی گاڑی صحیح پٹری پر پڑ گئی بلکہ پھر انہوں نے اپنی تعلیمی کمی کی بھی بھرپور تلافی کی..... اور گیارہ ماہ کے اندر اندر تین امتحان پاس کر لئے' اولاً ادیب فاضل' پھر ایف اے اور پھر بی اے۔

اس کے ساتھ ہی انہوں نے لاہور کا رخ کیا اور ایک جانب اسلامیہ کالج سول لائن میں ایم اے انگلش کے لئے اور دوسری جانب لاء کالج میں ایل ایل بی میں داخلے کے لئے آزمائشی ٹیسٹ دیئے' اور دونوں میں کامیابی حاصل کر کے بالفعل داخلہ ایل ایل بی میں لے لیا..... اور اس کے ساتھ ساتھ اولاً ڈیڑھ دو ماہ روزنامہ "تسنیم" اور بعد ازاں ہفت روزہ "ایشیا" میں کام کرنا شروع کر دیا اور مؤخر الذکر کے سلسلے میں تو اتنی کامیابی حاصل کر لی کہ ملک نصر اللہ خاں مرحوم و مغفور نے اپنی آپ بیتی پر مشتمل ایک کالم کے سوا باقی پورا پرچہ ان کے حوالے کر دیا۔ اور انہوں نے بھی چھ ماہ کے اندر اندر اس کی اشاعت میں معقول اضافہ کر کے دکھا دیا۔

....

اس وقت تک اللہ تعالیٰ نے بھائی جان کی شدید محنت اور مشقت کے صلے میں ان کے کاروبار میں برکت عطا فرما دی تھی اور ان کی تعمیراتی فرم کا کام کافی وسعت اختیار کر گیا تھا۔ جس کے لئے انہیں معاون ہاتھ درکار تھے۔ چنانچہ ان کی دعوت پر عزیزم اقتدار احمد نے بقولِ خود قلم ہاتھ سے رکھ کر بیلچہ تھام لیا۔ اور الحمد للہ کہ اس میدان میں بھی ان کی طبعی ذہانت نے جلد ہی اپنا لوہا منوالیا۔ بعد میں بھائی جان نے ان کے' اور ان سے چھوٹے بھائی عزیزم وقار احمد کے لئے' جنہوں نے بی ایس سی کا امتحان پاس کر لیا تھا' پرائیویٹ ٹیوشن کے ذریعے سول انجینئرنگ کی تعلیم کا اہتمام بھی کر دیا۔ جس کے نتیجے میں انہیں اس کاروبار کے ضمن میں عملی مہارت کے ساتھ ساتھ فنی بصیرت بھی حاصل ہو گئی..... اور اس طرح یہ دونوں چھوٹے بھائی پیشہ اور کاروبار کے اعتبار سے مستقلاً اس "شاہراہ" پر گامزن ہو گئے جس کا "افتتاح" بھائی جان نے کیا تھا!

....

اس دوران میں خود راقم الحروف ۱۹۵۷ء میں جماعت اسلامی کی رکنیت اور جماعت کی ڈسپنسری کی ملازمت کو خیرباد کہنے کے بعد از سر نو اپنی معاشی زندگی کی بنیاد استوار کرنے اور

تحریکی وابستگی کی نئی راہیں متعین کرنے کی جدوجہد میں مصروف تھا...... چنانچہ تین چار سال کی محنت کے نتیجے میں ایک جانب اس نے منٹگمری (حال ساہیوال) میں اپنا ذاتی مطب مستحکم (ESTABLISH) کر لیا تھا اور دوسری جانب کچھ عرصہ جماعت اسلامی سے علیحدہ ہونے والے "بزرگوں" کے کوچوں کا طواف کرنے، اور بالآخر کسی نئی تعمیر و تشکیل کے ضمن میں ان سے مایوس اور بددل ہو جانے کے بعد، ذاتی سطح پر منٹگمری ہی میں "حلقۂ مطالعۂ قرآن" اور "دارالمقامہ" کے نام سے ایک ہاسٹل کے قیام کے ذریعے اپنے مقصد زندگی کی لگن اور تحریکی جذبے کی تسکین کا سامان فراہم کر لیا تھا۔ اس ہاسٹل کا بنیادی فلسفہ یہ تھا کہ کالج میں زیر تعلیم طلبہ کے لئے دینی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا جائے۔ اور الحمد للہ کہ برادر عزیز مظفر احمد منور اور برادرم ڈاکٹر ابصار احمد کے فکر و نظر کی داغ بیل اسی ہاسٹل میں پڑی اور اُن کی زندگی کا رخ یہیں متعیّن ہوا۔

میں اپنی ان مصروفیات میں پوری طرح مگن اور مطمئن تھا کہ اچانک بھائی جان کی جانب سے مجھے بھی اپنے کاروبار میں شرکت کی دعوت موصول ہوئی۔ خود اپنے بارے میں اس "اعتراف" کے ساتھ کہ "میرے پاس فنی صلاحیت اور مہارت تو موجود ہے، تنظیمی اور انتظامی صلاحیت بالکل نہیں ہے" اور میرے بارے میں اس "مغالطے" کے باعث کہ "تمہیں اللہ نے یہ صلاحیتیں وافر مقدار میں عطا کی ہیں!" ...... اس سلسلہ میں انہوں نے ایک جانب والدین سے بھی سفارش کرائی اور دوسری جانب خود مجھ پر ترپ کا یہ پتہ آزمایا کہ "تم اپنی میڈیکل پریکٹس کے ساتھ دعوت اور تحریک کا کام کیسے کر سکو گے؟ بہتر یہ ہے کہ کچھ دن اس کاروبار میں وقت لگا کر اس کے انتظامی ڈھانچے کو استوار کر دو، پھر ہم تمہیں دین کے کام کے لئے مستقل طور پر "فارغ" کر دیں گے!" ...... تحریک اسلامی کے ساتھ میری شدید جذباتی وابستگی نے مجھے اس دلیل کے آگے ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا...... اور میں نے بھی ان کی دعوت قبول کر لی۔ چنانچہ میں قریشی کنسٹرکشن کمپنی لمیٹڈ کا حقدار بھی بن گیا، اور اس کا ڈائریکٹر اور جنرل منیجر بھی! اور میرے ذاتی مطب نے بھی اسی کمپنی کی جانب سے ایک خیراتی ہسپتال (WELFARE CLINIC) کی حیثیت اختیار کر لی۔

لیکن جلد ہی راقم نے محسوس کر لیا کہ یہ تو "دامِ ہمرنگ زمین" ہے۔ اس لئے کہ اولاً یہ کام جس قدر محنت اور توجہ کا طالب ہے اس کے پیش نظر اندیشہ ہے کہ کہیں میں مستقل طور پر

اسی میں "گم" ہو کر نہ رہ جاؤں..... مزید بر آں یہ خطرہ بھی موجود ہے کہ اعلیٰ معیار زندگی کی بیڑیاں پاؤں میں مستقل طور پر نہ پڑ جائیں' ثانیاً ہم دونوں بھائیوں کے مزاج اور انداز کار کا فرق قدم قدم پر پیچیدگیوں کا باعث بن رہا تھا۔ جس سے فوری طور پر ذہنی کوفت اور وقت اور صلاحیت کے ضیاع کے علاوہ یہ اندیشہ بھی موجود تھا کہ کہیں مستقبل کے اعتبار سے لینے کے دینے نہ پڑ جائیں کہ کہاں تو مقصد یہ تھا کہ احیائے اسلام کے لئے مشترک جدوجہد کریں گے کہاں یہ کہ باہمی اخوت کا رشتہ بھی مجروح ہو جائے!

بنابریں' میں نے کاروبار میں شرکت کے بعد جلد ہی واپسی کا فیصلہ کر لیا تھا۔ لیکن چونکہ یہ پورے خاندان کا مسئلہ بن گیا تھا اور اس میں ہم چار بھائیوں کے علاوہ ایک بہنوئی بھی شامل تھے لہٰذا اس شراکت کو ختم کرنے میں کچھ وقت لگا..... اور اگرچہ اس کے دوران بھائی جان مجھے ہر طرح سمجھاتے رہے کہ میں علیحدگی اختیار نہ کروں لیکن میرا حال یہ تھا کہ اس "دام ھمرنگ زمین" سے نکلنے میں مجبوراً جو تاخیر ہو رہی تھی اس کا ایک ایک لمحہ سوہان روح بن گیا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک بار بھائی جان نے فرمایا۔ "اسرار تم ذرا محنت کر لو تو میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تم ہشتم خاں سے بڑے کنٹریکٹر بن سکتے ہو۔" (یہ نام میں نے تو پہلی بار ان ہی کی زبان سے سنا تھا' لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ یہ صاحب کوئی کروڑ پتی قسم کے ٹھیکیدار تھے۔) جس کا جواب میں نے یہ دیا تھا کہ "بھائی جان مجھے یہ کام کرنا ہی نہیں ہے۔ مجھے اگر پیسہ ہی بنانا مقصود ہوتا تو اللہ نے جو "پیشہ" مجھے عطا فرمایا تھا (یعنی میڈیکل پریکٹس) وہ بھی کچھ ایسا برا نہ تھا!"

بہرحال راقم ۱۹۶۵ء میں کراچی سے رسی تڑا کر (جہاں ۶۲ء میں اسی کاروبار کے سلسلے میں منتقلی ہو گئی تھی اور جہاں مزار قائداعظم کے قریب اس کوٹھی میں قیام رہا تھا جس میں بعد میں پیپلز پارٹی کا سنٹرل سیکرٹریٹ قائم ہوا۔) سیدھا لاہور پہنچا' اس لئے کہ ع "کچھ اور چاہئے وسعت میرے بیاں کے لئے!" کے مصداق کسی انقلابی دعوت و تحریک کا آغاز ملک کے کسی "ام القریٰ" ہی سے ہو سکتا تھا..... اور اُس وقت میں نے اپنی زندگی کے اس عجیب و غریب حادثے پر نگاہ بازگشت ڈالی تو یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ الفاظ قرآنی "لَقَدْ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى" کے مصداق اس پورے معاملے میں یہ حکمت خداوندی اور مشیت ایزدی مضمر تھی کہ مجھے ساہیوال سے اکھاڑ کر لاہور لے آیا جائے..... اور یہاں اپنی زندگی کے نئے

سفر کے آغاز کے لیے ابتدائی سرمایہ بھی فراہم کر دیا جائے۔

چنانچہ کاروبار سے علیحدگی پر جو خطیر رقم میرے حصے میں آئی' اس سے میں نے:
(۱) ایک دو منزلہ مکان کرشن نگر لاہور میں خریدا جس میں اتنی گنجائش موجود تھی کہ رہائشی ضروریات بھی پوری ہو جائیں' اور مطب بھی قائم ہو سکے' (۲) "دارالاشاعت للاسلامیہ" قائم کیا جس کے تحت سب سے پہلے میری اپنی تالیف "تحریک جماعت اسلامی' ایک تحقیقی مطالعہ" شائع ہوئی' اور پھر مولانا امین احسن اصلاحی کی تصانیف اور تفسیر "تدبر قرآن" ...... اور میرے ابتدائی دعوتی کتابچوں کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔
(۳) ماہنامہ "میثاق" جاری کیا' جو کچھ عرصے سے بند تھا چنانچہ اس کے ضمن میں کچھ سابقہ واجبات بھی مجھے ادا کرنے پڑے!

الغرض' اس طرح مجھے اپنی زندگی کے اُس نئے سفر کے آغاز میں کوئی دقت نہیں ہوئی' جس کے اہم نشانات راہ ہیں : ۱۹۷۲ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کی تأسیس' اور اس کے تحت قرآن اکیڈمی کا قیام..... اور ۱۹۷۵ء میں تنظیم اسلامی کی تأسیس اور اس عنوان کے تحت اقامتِ دین کیلئے ایک انقلابی جدوجہد کا آغاز!

....

انگریزی زبان کے ایک مشہور مقولے[1] کا حاصل یہ ہے کہ علیحدگیاں ہمیشہ تلخیوں کو جنم دیتی ہیں..... ہماری کاروباری علیحدگی بھی اس قاعدہ کلیہ سے مستثنیٰ نہ رہ سکی' اور بھائی جان کے ضمن میں تو وہ صورت پوری شدت کے ساتھ پیدا ہو کر رہی جس کا اندیشہ میری علیحدگی کے اسباب میں داخل تھا۔ چنانچہ ان کے ساتھ ایک طویل عرصے تک تعلقات نہایت کشیدہ رہے۔ خود عزیزم اقتدار احمد کے ساتھ اگرچہ کوئی براہ راست تلخی تو پیدا نہیں ہوئی' لیکن غیر محسوس طور پر مغائرت کے پردے حائل ہوتے چلے گئے۔ (اور اس میں بھی' جیسا کہ بعد میں معلوم ہوا' اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم حکمت مضمر تھی!)

ہماری کاروباری علیحدگی جس انداز میں ہوئی' اس کے نتیجے میں برادرم اقتدار احمد کو ایک مستحکم کاروباری ادارے کے مالک و مختار ہونے کی حیثیت حاصل ہو گئی' اور اس طرح اُن کی ذہانت اور صلاحیت کو بھرپور طور پر بروئے کار آنے کا موقع ملا۔ اور اس میں ہرگز کوئی شک

---
[1] "PARTINGS ARE ALWAYS PAINFUL."

نہیں کہ انہوں نے اپنی خداداد لیاقت اور شدید محنت و مشقت کے نتیجے میں نہایت شاندار کامیابی حاصل کی اور اس میدان میں فتح و کامرانی کے بہت سے بلند اور نمایاں جھنڈے نصب کیے۔ (اور اس کے نتیجے میں ہماری معاشی سطح میں جو نمایاں فرق و تفاوت پیدا ہوا، اس نے ہمارے مابین مغائرت کے پردوں کو مزید دبیز کر دیا!)

(جاری ہے)

● اردو صحافت میں ایک بیباک اور بامقصد آواز
● ایک انقلاب آفریں سیاسی ہفت روزہ
● اسلام اور پاکستان سے وابستگی کی علامت

ہفت روزہ
ندا
لاہور

باقاعدگی کے ساتھ ہر بدھ کو شائع ہوتا ہے

مقام اشاعت
۱۲-افغانی روڈ سمن آباد-لاہور ۵۴۵۰۰

زر تعاون برائے سال -/۲۵۰ روپے، برائے چھ ماہ -/۱۳۰ روپے، برائے تین ماہ -/۶۵ روپے

بیرونی ممالک کے لیے:

سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات: -/۵۰- امریکی ڈالر
بھارت اور بنگلہ دیش: -/۴۰- امریکی ڈالر ——— افریقہ و ایشیا: -/۴۵- امریکی ڈالر
یورپ: -/۵۰- امریکی ڈالر ——— امریکہ، کینیڈا اور آسٹریلیا: -/۵۵- امریکی ڈالر

ADARTS HMD-6-87

ایک مخلصانہ سرزنش

تمباکو نوشی کو 'نہی عن المنکر' میں سرِ فہرست ہونا چاہیے!

رحیم یار خان کے ڈاکٹر عبدالخالق صاحب راقم الحروف کے دیرینہ کرم فرماؤں میں سے ہیں۔ انجمن خدام القرآن سے تو وہ عرصے سے باضابطہ منسلک ہیں، لیکن تنظیم اسلامی میں تاحال شامل نہیں ہوئے۔ تاہم تنظیم کے ساتھ نصح واخلاص اور خیرخواہی وخیراندیشی کا گہرا رشتہ رکھتے ہیں اور گاہے بگاہے راقم کو خیرخواہانہ تنقیدوں اور مخلصانہ نصیحتوں سے نوازتے رہتے ہیں ــــ اس سال تنظیم اسلامی کا جو سالانہ اجتماع طارق آباد (نزد بہاولنگر) میں منعقد ہوا، اس میں نہ صرف یہ کہ ہمہ وقت اور ہمہ تن شریک رہے بلکہ نہایت مستعدی اور تندہی کے ساتھ مریضوں کی خدمت میں بھی لگے رہے ــــ حال ہی میں ان کا ایک مفصل مکتوب موصول ہوا ہے جس کا اکثر وبیشتر تو حسب سابق ناقدانہ تبصروں اور خیرخواہانہ مشوروں پر مشتمل ہے ــــ جس سے اصلاً راقم کی راہنمائی مقصود ہے ــــ البتہ اس کے آخر میں ع "نوا را تلخ تر می زن چو ذوقِ نغمہ کم یابی!" کے مصداق ایک تلخ وتند مگر مخلصانہ 'سرزنش' بھی ہے جس میں خطاب تو اگرچہ راقم ہی سے ہے لیکن مطلوبہ اصلاح کا دائرہ وسیع تر ہے ــــ لہٰذا اسے افادۂ عام کی غرض سے شائع کیا جارہا ہے ــــــــ اسرار احمد

"....... آپ سمع وطاعت کی بیعت کو گمر کیوں نہیں آزماتے؟ ..... صاحب آپ کے بزرگ اور انتہائی عزیز رفیق ہیں۔ بھائی .... صاحب تو بھائی بھی ہیں اور دوست بھی۔ آپ اچھے "پیر" ہیں آپ کے مرید خودکشی پر تلے ہوئے ہیں اور آپ انہیں روکتے نہیں۔ سگریٹ کے

نشہ ہونے میں کسے کلام ہے ! ـــــ اور اسلام میں ہر نشہ آور شے حرام ہے ۔ اس کے زہر ہونے میں کسے شبہ ہے ! اور اب تو ' PASSIVE SMOKING ' کے نقصانات بھی واضح اور مبرہن ہوچکے ہیں ۔ پاس بیٹھنے والے اس بدبودار دھوئیں کو برداشت کرنے پر ہی مجبور نہیں ہوتے بلکہ اس کے زہریلے اثرات سے "فیض یاب" ہونے پر بھی مجبور ہوتے ہیں ۔ دین کی سطح پر اسے حرام نہ کہیئے کہ مفتی اور مولوی بھی اس نشے کے اسیر ہیں، اخلاقی لحاظ سے کتنی بڑی برائی ہے ! شریف آدمی کسی کو اذیت نہیں دیتا کسی کو نقصان نہیں پہنچاتا اور سگریٹ نوش بے قصور لوگوں کو اذیت بھی دیتا ہے اور نقصان بھی پہنچاتا ہے ۔ پھر بھی وہ معزز ہے ۔ شریف ہے ۔ میں اگر مفتی ہوتا تو اس برائی کو نہی عن المنکر میں سرفہرست رکھتا ۔ افیمی، شرابی اور املی (بھنگی) صرف اپنا نقصان کرتا ہے ۔ سگریٹ نوش تو اپنے ساتھ رہنے والوں اور اپنے پاس بیٹھنے والوں کو بھی نہیں بخشتا ۔ یہ ڈھٹائی ہی نہیں "غنڈہ گردی" ہے ۔ شاید الفاظ نامناسب معلوم ہوں لیکن سگریٹ نوشی کی برائی اتنی سنگین ہے کہ اس کے خاتمے کے لیے شدید ترین نفرت کا اظہار ضروری ہے ۔

میں آپ سے پوچھتا ہوں آپ شیخ ...... صاحب کو ANGINA کے ہاتھوں اور ...... صاحب کو ' POLYCYTHEMIA ' کے ہاتھوں کرب و اذیت میں مبتلا رہنے کے لیے اس لیے چھوڑے رکھیں گے کہ روایتی مروت اور شائستگی کا تقاضا ہے ۔ حالانکہ حقیقی مروت اور شائستگی ان بیماریوں کے سبب کو سختی سے رد کرنے میں ہے ۔ ان کا آپ پر حق ہے کہ آپ انہیں دوٹوک الفاظ میں نوٹس دیں ۔ ورنہ ان کی خود ساختہ اور پرداختہ بیماری کے لیے آپ بھی عند اللہ جوابدہ ہوں گے اور یہ حقیر پرتقصیر آپ کے خلاف گواہی دے گا ۔

نشر القرآن کیسٹ سیریز ۳۶ ـ کے ماڈل ٹاؤن لاہور

دین کے انتہائی اہم اور بنیادی موضوع

حقیقت و اقسامِ شرک پر ڈاکٹر اسرار احمد

کے ایک ایک گھنٹے کے چھ لیکچرز جو C-60 کے چھ کیسٹوں میں دستیاب ہیں
ہدیہ پاکستانی کیسٹ ۔/۱۰۰ روپے (جاپانی کیسٹ) ۔/۱۹۰ روپے مع محصولڈاک

تین سو سے زائد عنوانات پر مشتمل فہرست طبع شدہ موجود ہے خط لکھ کر طلب فرمائیں

الہدیٰ

درس ۱۱، نشست ۵۲

مباحثِ عمل صالح

اسلام کا معاشرتی اور سماجی نظام

(سورۂ بنی اسرائیل کی آیات ۳۲ تا ۴۰ کی روشنی میں)

(۴)

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ـــ اَمَّا بعد

فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم ۔ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّہٖ سُلْطٰنًا فَلَا یُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ ؕ اِنَّہٗ کَانَ مَنْصُوْرًا ۝ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ حَتّٰی یَبْلُغَ اَشُدَّہٗ ۪ وَاَوْفُوْا بِالْعَھْدِ ۚ اِنَّ الْعَھْدَ کَانَ مَسْـُٔوْلًا ۝ وَاَوْفُوا الْکَیْلَ اِذَا کِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ ؕ ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ۝ وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنْہُ مَسْـُٔوْلًا ۝ وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّکَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ۝ کُلُّ ذٰلِکَ کَانَ سَیِّئُہٗ عِنْدَ رَبِّکَ مَکْرُوْھًا ۝ ذٰلِکَ مِمَّآ اَوْحٰٓی اِلَیْکَ رَبُّکَ مِنَ الْحِکْمَۃِ ؕ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـھًا اٰخَرَ فَتُلْقٰی فِیْ جَھَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝

"اور مت قتل کرو اس جان کو جس کو اللہ نے محترم ٹھہرایا ہے مگر حق کے ساتھ' اور جو شخص مظلومانہ قتل کیا گیا ہو تو اس کے ولی کو ہم نے (قصاص کا) اختیار دیا ہے پس اسے چاہئے کہ وہ قتل میں حد سے تجاوز نہ کرے چونکہ اس کی مدد کی گئی ہے......اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ پھٹکو مگر اس طور پر جو اس کے حق میں بہترین ہو یہاں تک کہ وہ بلوغت کو پہنچ جائے اور عہد کو پورا کرو بلا شبہ عہد کے بارے میں باز پرس ہو گی' جواب دہی کرنی ہو گی۔ اور جب ماپ کر دو تو پورا ماپ کر دو اور جب تولو تو ٹھیک ترازو سے تولو' یہی اچھا طریقہ ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی خوب ترین ہے۔ اور کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہیں ہے۔ یقیناً آنکھ' کان اور دل ان میں سے ہر ایک کی پرسش ہوتی ہے۔ اور زمین پر اکڑ کر مت چلو۔ تم نہ زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ ہی پہاڑ کی بلندی کو پہنچ سکتے ہو۔ ان عام امور میں سے ہر ایک کا برا پہلو تیرے رب کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔ یہ وہ دانائی اور حکمت کی باتیں ہیں جو (اے نبی!) آپ کے رب کی طرف سے آپ پر وحی کی گئی ہیں اور دیکھنا "اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ ٹھہرا بیٹھنا ورنہ تم بھی ملامت زدہ اور راندہ درگاہ ہو کر جہنم میں جھونک دیئے جاؤ گے"۔

محترم حاضرین و معزز ناظرین۔

مطالعہ قرآن حکیم کے جس منتخب نصاب کے دروس کا سلسلہ ان مجالس میں ہفتہ وار چل رہا ہے' اس کے حصہ سوم' جو عمل صالح کے مباحث پر مشتمل ہے' کا سبق نمبر چار ہمارے زیر مطالعہ ہے۔ یہ سبق سورۂ بنی اسرائیل کے تیسرے اور چوتھے رکوع پر مشتمل ہے۔ گذشتہ تین نشستوں میں ان دو رکوعوں کی دس آیات (از ۲۳ تا ۳۲) کا مطالعہ ہم مکمل کر چکے تھے۔ پھر چونکہ تیسرے رکوع کی پہلی آیت (نمبر ۲۳) کے اس ابتدائی حصے وَ قَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ' کا چوتھے رکوع کی اس آخری آیت سے گہرا ربط و تعلق ہے کہ اَفَاَصْفٰکُمْ رَبُّکُمْ بِالْبَنِیْنَ...... الخ، تو اس کا بھی ہم نے ساتھ ہی مطالعہ کر لیا تھا۔ ان دونوں رکوعوں کا اول و آخر ایک ہی ہے یعنی التزام توحید اور اجتناب عن الشرک۔ گویا جس طرح ایک فرد نوع بشر کی سعادت عقیدۂ توحید پر منحصر ہے' اسی طرح انسانی اجتماعیت کی صلاح اور فلاح کا دارومدار بھی توحید ہی پر ہے۔ چونکہ توحید محض عقیدہ (DOGMA) نہیں ہے بلکہ پورے ایک نظام فکر اور ایک نظام اجتماعیت کی اساس ہے جس پر ایک صالح تمدن وجود میں آتا ہے اور ایک صحت مند معاشرت' منصفانہ معیشت اور عادلانہ

حکومت رُو بعمل آتی ہے۔

اس سبق کی پہلی نشست میں تمہید کے طور پر میں نے عرض کیا تھا کہ سورۂ بنی اسرائیل کا زمانہ نزول ہجرت سے قریباً ایک سال قبل واقعہ معراج کے ظہور پذیر ہونے کے ساتھ ہے۔ اس سورۂ مبارکہ میں توحید' معاد' نبوت اور قرآن کے بر حق ہونے کے دلائل کے ساتھ ساتھ اخلاق و تمدن اور تہذیب و معاشرت کے وہ بڑے بڑے اصول بیان کئے گئے ہیں جن پر زندگی کے مکمل نظام کو قائم کرنا دعوت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا مقصود تھا۔ گویا اس سورۂ مبارکہ میں اسلام کا منشور شامل تھا جو اسلامی ریاست کے قیام سے ایک سال قبل اہل ایمان کے سامنے بالخصوص اور اہل عرب کے سامنے بالعموم پیش کیا گیا تھا۔ اس سورۂ مبارکہ کی زیر درس آیات کے بارے میں حبر الامۃ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ قول بھی آپ کو سنا چکا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں توراۃ کی وہ پوری تعلیم درج فرمادی ہے۔ جو شریعت موسوی کا جزو اعظم تھی۔ ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے وہ اوامر و نواہی بیان فرمادیئے جو ایک صالح معاشرہ کے لئے اساس کا درجہ رکھتے ہیں۔ ہم پچھلی نشستوں میں توحید پر کار بند رہنے کی تاکید' والدین کے ساتھ حسن سلوک بالخصوص ان کی ضعیفی کے دور میں ان کے ساتھ رحمت و شفقت کا حکم' پھر دیگر اعزہ و اقارب اور معاشرے کے مساکین اور فقراء کے حقوق کی ادائیگی کی تاکید' پھر اسی ذیل میں تبذیر کی شدید مذمت و ممانعت' ساتھ ہی بخل اور اسراف دونوں سے بچنے اور میانہ روی اختیار کرنے کی تلقین کا مطالعہ کر چکے ہیں۔ مزید بر آں مفلسی کے خوف سے قتل اولاد کی سختی سے ممانعت اور زنا جیسے گھناؤنے معاشرتی جرم کی شناعت اور اس کے قریب تک نہ پھٹکنے کی تعلیم و ہدایت بھی نہایت پر زور تاکیدی اسلوب سے ہمارے سامنے آچکی ہے۔

آج ہم جن آیات کا مطالعہ کریں گے ان میں یہی سلسلۂ مضمون مزید آگے بڑھتا ہے۔ چنانچہ یہاں ایک صالح معاشرت کے ضمن میں کچھ مزید احکامات کا بیان ہے۔ یعنی (۱) قتل ناحق کی ممانعت۔ (۲) یتیم کے مال کی حفاظت۔ (۳) عہد و قول و قرار کی پابندی۔ (۴) ماپ تول میں کمی بیشی سے اجتناب۔ (۵) صحیح علم کی پیروی اختیار کرنا اور اوہام سے بچنا۔ (۶) تکبر اور غرور سے احتراز...... یہ بات لائق توجہ ہے کہ اس پورے سلسلہ اوامر و نواہی اور ان تفصیلی ہدایات کو یہاں "حکمت" سے تعبیر کیا گیا ہے کہ یہ ہیں وہ باتیں جو حکمت کے قبیل سے ہیں' یہ دانائی اور فکری بلندی کی باتیں ہیں' جو ایک صالح معاشرے کی تعمیر

کے ضمن میں بندوں کی رہنمائی کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نازل فرمائی ہیں۔
اس سلسلۂ ہدایات کے اختتام پر پھر وحدت الٰہ اور توحید فی الالوہیۃ کا خصوصیت سے ذکر کر کے اشارہ کر دیا گیا کہ اجتماعیات انسانی کے مزید ارتقاء کے نتیجے میں جب ریاست (STATE) وجود میں آئے گی تو ایک صحیح اسلامی ریاست کی اساس حاکمیت خداوندی (DIVINE SOVEREIGNTY) کے اصول ہی پر قائم ہو گی اور اس کی صحت و درستگی کا تمام تر دارومدار حاکمیت غیر اللہ کی کامل نفی ہی پر ہو گا...... ساتھ ہی اس انجام بد سے بھی متنبّہ کر دیا جس سے اللہ کے ساتھ کسی نوع کے شرک کرنے والوں کو آخرت میں سابقہ پیش آ کر رہے گا۔ ان چند تمہیدی باتوں اور سابقہ اسباق کی تعلیمات کے اعادے کے بعد آیئے ہم آج کے سبق کا مطالعہ کریں۔

ارشاد ہوتا ہے وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ ط "اور مت قتل کرو اس جان کو جس کو اللہ نے محترم ٹھہرایا ہے مگر حق کے ساتھ "...... قتل ناحق کی ممانعت سورۃ الفرقان میں بھی وارد ہو چکی ہے، جس کا مطالعہ ہم کر چکے ہیں۔ لیکن یہاں اس اضافہ کے ساتھ یہ بات آئی ہے کہ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّہٖ سُلْطٰنًا۔ "اور جو شخص مظلومانہ قتل کیا گیا ہو تو اس کے ولی کو ہم نے (قصاص کا) اختیار دیا ہے"۔ یہاں یہ بات نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ یہ اسلامی قانون کا ایک منفرد معاملہ ہے کہ قاتل کو گرفتار کر کے مقتول کے ورثا کے حوالے کر دیا جائے۔ یعنی شریعت اسلامی میں اصل اختیار مقتول کے ورثاء کو حاصل ہے۔ وہ اختیار کیا ہے! یہ کہ ورثاء اگر چاہیں تو قاتل کو معاف بھی کر سکتے ہیں۔ وہ اگر چاہیں تو اپنے مقتول کا خون بہا لے کر قاتل کو آزاد کر سکتے ہیں اور وہ اگر چاہیں تو جان کے بدلے جان لینے کا فیصلہ بھی کر سکتے ہیں۔ یعنی عفو، دیت اور قصاص یہ تینوں راستے (OPTIONS) ان کے لئے کھلے ہیں۔ اسلامی حکومت پابند ہے کہ ورثاء ان تینوں میں سے جس کا بھی انتخاب کریں، اس کے مطابق عمل درآمد کرے۔ غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ نہایت حکمت پر مبنی نظام ہے۔ اس لئے کہ جب کسی قاتل کو مقتول کے ورثاء کے رحم و کرم پر لا کر کھڑا کر دیا جائے تو مقتول کے ورثاء کے جذبات میں جو اشتعال ہوتا ہے ان میں خود بخود کافی حد تک کمی آ جاتی ہے، دشمنی کے جذبات آپ سے آپ ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں کہ ہمارے عزیز کا قاتل اب ہمارے رحم و کرم پر ہے......... اب اگر وہ معاف کر دیں تو آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ ایسے واقعۂ قتل کے باعث دو خاندانوں کے مابین

جو اختلاف 'تکدر اور عداوت پیدا ہو جاتی ہے وہ کس طرح اب محبت اور مؤدّت میں بدل جائے گی۔ ورنہ جوابی خون اور جوابی قتل کا سلسلہ جو ہمارے دیہاتی برادری اور قبائلی معاشروں میں اب بھی شدت کے ساتھ موجود ہے جو کبھی ختم ہونے میں نہیں آتا' اسے اسی طرح نہایت صحت مندانہ طریقے پر کنٹرول کیا جا سکتا ہے۔

پھر اگر ورثاء دیت لے کر قاتل کی جان بخشی کر دیں یا جان کے بدلے جان لینے کا فیصلہ کریں اور طویل عدالتی کارروائی کے بجائے فیصلہ کا اختیار انہیں حاصل ہو جس کو استعمال کرتے ہوئے وہ قاتل کو مقتول کے قصاص میں قتل کرنے کا خود فیصلہ کریں اور حکومت صرف اس فیصلہ کی تعمیل (EXECUTION) کی حد تک اپنا فرض انجام دے تو یہی وہ طریقہ ہے جو مقتول کے ورثاء کے زخموں پر مرہم رکھنے کا باعث ہو گا اور یہ انصاف کے تقاضوں کو بطریق احسن پورا کرے گا۔ الغرض اس اسلامی قانون میں انسانی معاشرت کے لئے بے شمار حکمتیں اور برکتیں مستور ہیں...... آگے مقتول کے ورثاء کے لئے ایک اخلاقی تاکید آئی ہے فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ "پس وہ (یعنی مقتول کا ولی) قتل کرنے میں حد سے تجاوز نہ کرے" ...... یعنی مجرم کو ایذا دے کر قتل کرنا' اعضا کاٹ کاٹ کر جان لینا ناپسندیدہ فعل ہے۔ اگر قاتل کی جان لینی ہی درکار ہے تو معروف طریقے پر لے لی جائے۔ آگے فرمایا اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا۔ "بے شک اس کی مدد کی گئی ہے"۔ اس میں مقتول کے ولی کے لئے ہدایت ہے کہ چونکہ اسلامی حکومت نے قصاص کے معاملہ میں اس کی مدد کی ہے اس لئے اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ بدلہ لینے میں حد سے تجاوز کرے۔ مثلاً قاتل کے ورثاء میں سے کسی کو قتل کر دے یا مقتول کو ایذا دے کر جان سے مارے۔

آگے حکم آیا وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ۔ "اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ پھٹکو مگر اس طریقے سے جو بہترین ہو یہاں تک کہ وہ بلوغت کو پہنچ جائے"۔ یہاں وہی اسلوب اختیار کیا گیا ہے جو بدکاری کی ممانعت کے لئے استعمال کیا گیا ہے کہ "وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى" ایک انداز بیان یہ ہو سکتا تھا کہ لَا تَاْكُلُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ۔ "یتیم کا مال مت کھاؤ' ہڑپ نہ کرو" ...... لیکن تاکید میں زور پیدا کرنے کے لئے فرمایا کہ یتیم کے مال کے قریب بھی نہ پھٹکو۔ اس پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس شدت کے ساتھ عمل کیا کہ اگر کسی شخص کی تحویل میں کوئی یتیم ہوتا تھا تو وہ اس کا مال اس طرح علیحدہ رکھتا تھا کہ اس کی ہنڈیا روٹی تک الگ

کر دی جاتی تھی۔ مبادا اس کے کھانے میں سے کوئی لقمہ میرے پیٹ میں چلا جائے۔ اس سے ظاہر بات ہے کہ معاشرے میں تنگی اور دقت پیدا ہوئی اور یتیم کے ساتھ ایک نوع کی مغائرت پیدا ہونے کا احتمال ہوا۔ چنانچہ اس پر اللہ تعالیٰ کی عنایت و شفقت کا ظہور ہوا اور سورۃ البقرہ کی یہ آیت نازل ہوئی۔ وَ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ وَ اِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ "(اے نبی!) آپ سے پوچھتے ہیں یتیموں کے بارے میں۔ کہہ دیجئے ان کی اصلاح کا کام بہتر ہے اور اگر تم ان کا خرچ (اپنے خرچ کے ساتھ) ملا لو تو وہ تمہارے بھائی ہی تو ہیں" ...... یہ بالکل علاحدہ کر دینا مقصود نہ تھا۔ اصل چیز جو مطلوب ہے وہ یہ ہے کہ ان کا مال ناجائز طریقے پر ہڑپ نہ کر جاؤ۔ اس سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا طرز عمل کیا تھا اور وہ کس طرح قرآن مجید کی ہدایات پر حرف بہ حرف عمل کیا کرتے تھے۔

اسی آیت میں تیسرا حکم آ رہا ہے جو ایفائے عہد اور قول و قرار کی پابندی سے متعلق ہے۔ جیسا کہ میں نے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ یہ مضمون بار بار آیا ہے۔ آیتِ بِرّ میں نیکو کاروں کے وصف کے طور پر یہ آیا تھا: وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا سورۃ المومنون اور سورۃ المعارج میں ہم پڑھ چکے ہیں۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ○ لیکن نوٹ کیجئے کہ یہاں یہ ایک نرالی شان کے ساتھ آیا ہے۔ جب دو انسان یا دو گروہ باہم کوئی معاہدہ کرتے ہیں تو اس کے ضمن میں یہاں جو رخ پیش کیا جا رہا ہے وہ یہ ہے کہ یہ صرف دو افراد یا دو جماعتوں کے درمیان معاہدہ نہیں ہے بلکہ ہر معاہدے میں ایک تیسرا فریق شامل ہے اور وہ ہے اللہ۔ فرمایا گیا۔ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ○ یقیناً ہر عہد، ہر قول و قرار، ہر میثاق اور ہر معاہدے کی باز پرس ہو گی" یعنی وہ فریق ثالث بطور گواہ اس معاہدے میں شامل ہے۔ وہ محاسبہ کرے گا۔ عہد کی خلاف ورزی کرنے والے کو اس کے سامنے جواب دہی کرنی پڑے گی۔ یہی بات ہے جو قرآن مجید میں بایں الفاظ مبارکہ وارد ہوئی ہے۔ اَللّٰهُ شَهِيْدٌ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ۔ "اللہ گواہ ہے میرے اور تمہارے مابین" ...... لہٰذا جب بھی کوئی معاہدہ ہو، کوئی قول و قرار ہو، کوئی عہد ہو تو یہ شعور و ادراک ہونا چاہئے کہ یہ معاملہ صرف ہم دو فریقوں کے مابین نہیں ہے، اس میں تیسرا فریق بطور گواہ موجود ہے اور اس کے سامنے ہمیں جواب دہی کرنی ہے اور وہ اللہ ہے تبارک و تعالیٰ۔

اگلا حکم ماپ اور تول میں کمی کرنے کی ممانعت پر مشتمل ہے۔ ابتدائی مکی سورتوں میں سے ایک سورۃ کا نام ہی سورۃ المطففین ہے۔ جس کے آغاز میں یہ مضمون نہایت پر جلال انداز میں آیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ۝ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَو وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ۝ أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُم مَّبْعُوثُونَ ۝ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ یہاں جس لفظ ویل سے سورۂ مبارکہ شروع ہوئی اس کے لفظی معنی ہلاکت اور بربادی کے ہیں۔ لیکن بعض روایات کے مطابق "ویل" جہنم کی ایک ایسی وادی کا نام بھی ہے کہ جس سے خود جہنم بھی پناہ مانگتی ہے۔ چنانچہ یہاں اس جہنم کی وعید سنائی جا رہی ہے ان لوگوں کے لئے جن کا حال یہ ہے کہ جب ماپ اور تول کر کوئی چیز لیتے ہیں تو پوری لیتے ہیں لیکن جب ماپ یا تول کر کسی کو دیتے ہیں تو اس میں کمی کر دیتے ہیں۔ آگے تجزیہ کر کے اس عمل کا سبب بیان فرمایا گیا ہے کہ در حقیقت یہ لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ آپ خود سوچئے کہ ایک شخص تولتے ہوئے ہاتھ کی غیر محسوس حرکت کے ذریعے ڈنڈی مارتا ہے تو بظاہر یہ معمولی سا عمل ہے، لیکن تل کی اوٹ میں پہاڑ ہوتا ہے۔ اس کے اس عمل کا تجزیہ کیجئے تو یہ بات سامنے آئے گی کہ اسے یقین نہیں ہے کہ اللہ موجود ہے، اسے یقین نہیں ہے کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ یا اسے یہ یقین نہیں ہے کہ مجھے مرنے کے بعد پھر جی اٹھنا ہے اور اللہ کے حضور میں حاضر ہونا ہے اور وہاں مجھے اپنے ایک ایک عمل، ایک ایک فعل، ایک ایک حرکت کا حساب دینا ہے۔ فرمایا: أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُم مَّبْعُوثُونَ ۝ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ "انہیں یہ احساس نہیں ہے کہ انہیں اٹھایا جائے گا بڑے دن کو یعنی قیامت میں۔" "يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ جس دن وہ کھڑے ہوں گے جہانوں کے پروردگار اور آقا کے سامنے" ...... یہاں سورۃ بنی اسرائیل میں اسی مضمون کو آگے بڑھایا گیا کہ تم سمجھتے ہو کہ تم نے ذرا سی ڈنڈی مار کر کچھ نفع حاصل کیا ہے۔ حالانکہ ماپ اور تول صحیح رکھنے میں ہی در حقیقت برکت ہے۔ اسی طرز عمل میں خیر ہے۔ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۝ انجام کار کے اعتبار سے یہی چیز بہتر ہے۔

اگلی آیت میں ایک اور نہایت اہم مضمون آیا ہے جس کا ہماری تہذیب و تمدن اور ثقافت پر واقعةً بہت گہرا اثر مرتب ہوا ہے اور وہ یہ کہ: وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ "کسی ایسی چیز کے پیچھے مت لگو جس کے لئے تمہارے پاس علم نہیں ہے"۔

یعنی اوہام و ظنون کی پیروی کرنا' خواہ مخواہ کے توہمات کو دل میں جگہ دینا' اس کے بجائے تمہارا موقف علم پر قائم ہونا چاہئے۔ علامہ اقبال مرحوم نے اپنی مشہور کتاب "تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ" کے پہلے لیکچر میں اس بات کو بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے کہ جدید تہذیب کا ایک تو ظاہری ڈھانچہ ہے جس کے بارے میں وہ اپنے اردو کلام میں فرماتے ہیں کہ ع

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی

اور انگریزی میں وہ اپنے لیکچر میں اسے "THE DAZZLING EXTERIOR OF THE WEST-ERN CIVILIZATION" یعنی "مغربی تہذیب کا چکا چوند خارج" سے تعبیر کرتے ہیں۔ لیکن اس تہذیب کا جو "INNER CORE" یعنی باطن ہے وہ در حقیقت قرآن مجید ہی کا عطا کردہ ہے۔ وہ باطن یا 'INNER CORE' کیا ہے! اس کا مرکز و محور ہے سائنسی نقطۂ نظر! یعنی یہ کہ انسان کا نقطۂ نظر علم پر مبنی ہو۔ وہ توہمات کو قبول نہ کرے' تحقیق کرے۔ حقیقت کو جانچے اور پرکھے اور اس کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کرے۔

یہ روح قرآن نے پیدا کی تھی ورنہ توہمات کا دور کبھی ختم نہ ہوتا......

اس کے ضمن میں یہ آیت بڑی اہم ہے کہ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۚ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ○۔ اللہ تعالیٰ نے انسان میں جو استعدادات رکھی ہیں۔ مثلاً سماعت ہے' بصارت ہے' پھر قلب و ذہن کی قوتیں ہیں' جن میں تفقّہ ہے' تفکر ہے' استدلال اور استنباط کرنے کی اہلیت ہے۔ یہ تمام صلاحیتیں اس لئے دی گئی ہیں کہ انسان ان سے بھرپور طور پر استفادہ کرے۔ اگر وہ ان کو تو معطل اور بیکار رکھ چھوڑے اور توہمات پر اپنا موقف قائم کرے تو یہ انتہائی ناقدری کی بات ہے اور اس معاملے میں اس سے بازپرس ہو کر رہے گی۔ یہاں یہ نکتہ بھی نہایت قابل لحاظ ہے کہ اس آیت میں "فواد" کا لفظ آیا ہے جس کا عام طور پر ترجمہ قلب ہوتا ہے۔ قرآن مجید جہاں تعقل کو وظیفۂ عقل مانتا ہے وہاں وہ قلب کو بھی ذریعہ تفقہ قرار دیتا ہے کہ اس قلب میں بھی سوجھ بوجھ اور تفقہ کی صلاحیت موجود ہے۔ فرمایا گیا۔ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا۔ "ان کے دل ہیں لیکن وہ اس سے سوچنے کا کام نہیں لیتے۔" اسی طرح سورۃ الحج کی آیت نمبر ۴۶ میں دل کے لئے یعقلون بھی آیا ہے۔ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَا۔ معلوم ہوا کہ ایک تعقل اور تفقّہ وہ ہے جو انسان اپنے ذہن سے کرتا ہے اور ایک تفقّہ و تعقّل کا عمل وہ ہے کہ جس کا محل قلب ہے۔ ابن خلدون کا مشہور مقولہ ہے کہ العلم علمان علم

الابدان وعلم الادیان...... علم توبس دو ہی ہیں۔ ایک علم الابدان اور دوسرا علم الادیان...... ابدان سے مراد ہیں مادی اشیاء (PHYSICAL OBJECTS) ان کا علم ہمیں حواس ظاہری یعنی سمع وبصر اور لمس وغیرہ کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے۔ گویا قوت سامعہ ' باصرہ '' لامسہ ' ذائقہ اور شامّہ کے ذریعے انسان کو مادی اشیا کا جو علم حاصل ہوتا ہے اس علم کا نام علم الآبدان ہے۔ اور دوسرا علم ہے علم الادیان (REVEALED KNOWLEDGE) جو وحی و رسالت کے ذریعہ سے نوعِ انسانی کو حاصل ہوا ہے۔ علم توبس یہی دو ہیں۔ باقی جو کچھ ہے وہ توہمات کے قبیل سے ہے۔ ہماری تہذیب و تمدن میں ' OCCULT SCIENCES '(پراسرار علوم) کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ میں حیران ہوں کہ ان کے لئے " SCIENCES " کا لفظ کیسے استعمال ہو گیا! لیکن غلط العام کے طور پر ایسا ہو جاتا ہے۔ لیکن جان رکھئے کہ دست شناسی ' اور ستارہ شناسی وغیرہ کی اسلام میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے موکد انداز میں فرمایا ہے کہ جس کسی نے کسی نجومی کی پیشین گوئی کی تصدیق کی اس نے اس تعلیم کی نفی کی جو میں لے کر آیا ہوں۔ اس لئے کہ یہ چیزیں انسان کو توہمات میں الجھا کر عمل سے دور لے جانے کا ذریعہ بنتی ہیں۔ اسلام یہ چاہتا ہے کہ انسان کا طرزِ عمل اور رویہ ایسے واضح علم پر مبنی ہو جو صحیح عمل کو جنم دے سکے۔

اگلی آیت میں تکبر کی مذمت کا مضمون آ رہا ہے۔ آپ کو یاد ہو گا کہ یہ مضمون سورۃ لقمان کے دوسرے رکوع میں بعینہ انہی الفاظ میں آیا تھا۔ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا۔ "اور زمین میں اکڑ کر مت چلو۔" یہی مضمون سورۃ الفرقان کے آخری رکوع میں اللہ کے محبوب بندوں کے اوصاف کے ضمن میں وارد ہوا ہے جس کا مطالعہ اس سے قبل ہم کر چکے ہیں۔ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا۔ "اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر تواضع و فروتنی سے چلتے ہیں" ...... لیکن یہاں سورۃ بنی اسرائیل میں یہی مضمون ایک منفرد اسلوب میں آیا ہے۔ میں نے عرض کیا تھا کہ تکرارِ محض قرآن مجید میں کہیں نہیں ہے۔ کوئی نیا پہلو ' کوئی نیا انداز ' کوئی نئی بات یقیناً ہو گی۔ یہاں وہ دلنشین پیرایۂ بیان ہے جو قرآن مجید کے اعجاز کی ایک بہت بڑی علامت ہے۔ یعنی اس کی فصاحت اور اس کی بلاغت جس کے آگے عرب کے نامور شعراء و خطباء عاجز و سرنگوں ہو گئے تھے...... غور کریں گے تو معلوم ہو گا کہ انسان میں تکبر کا ظہور دو طرح سے ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ جب وہ زمین پر چلتا ہے تو اکڑ کر اور زمین پر زور زور سے پاؤں مارتا ہوا چلتا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ اپنی گردن کو اکڑا

کر اونچا کرتا ہے۔ پھر اسی گردن کو اونچا کرنے میں ممد ہو جاتے ہیں اونچے اونچے طرّے۔ اب یہاں دیکھئے کہ کتنے پیارے اور دلنشین انداز میں نفی کی گئی ہے کہ تم کتنے ہی پیر مار مار کر چلو تم ہماری زمین کو پھاڑ نہ سکو گے۔ اِنَّکَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ ۔ اور کتنی ہی گردن اونچی کر لو ہمارے پہاڑوں کی بلندی تک نہ پہنچ پاؤ گے۔ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ○

یہ ہیں وہ سماجی و معاشرتی ہدایات جو اوامر و نواہی کی صورت میں ان دو رکوعوں میں بڑی جامعیت سے ہمارے سامنے آگئی ہیں۔ ہم نے اس سبق کی پہلی نشست میں ان سب کا ایک اجمالی جائزہ لیا تھا۔ اس کے بعد کی تین نشستوں میں سلسلہ وار ان پر کسی قدر تفصیل کے ساتھ نظر ڈالی اور آج کی نشست میں یہ سبق بحمد اللہ ختم ہو رہا ہے۔ ان تمام اوامر و نواہی کے اختتام پر فرمایا۔ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ○ "یہ تمام چیزیں جو تمہارے سامنے آئی ہیں' ان میں جو برائی کا پہلو ہے وہ تمہارے رب کو سخت ناپسند ہے۔" غور کیجئے کہ ان سب میں برائی کا پہلو کیسے ہے اور کیا ہے! یہاں یا تو احکام و اوامر ہیں کہ یہ کرو۔ تو ان احکام پر عمل نہ کرنا یا ان کی ادائیگی میں تقصیر یا کوتاہی کا ارتکاب کرنا برائی کے ذیل میں آتا ہے۔ یا نواہی آئے ہیں یعنی بعض کاموں سے منع کیا گیا ہے کہ یہ مت کرو۔ ان کا ارتکاب کرنا بھی یقیناً برائی کا کام شمار ہو گا۔ پس مثبت اور منفی انداز کو جمع کر لیجئے تو یہ جتنے امور بیان ہوئے ہیں' ان میں جو برائی کے پہلو ہیں وہ تمہارے رب کو نہایت ناپسند ہیں۔ ذرا غور کیجئے کہ ان آیات کے مخاطب کون ہیں! وہ ہیں اہل ایمان۔ ان کے لئے اس سے بڑی کوئی دلیل ہو سکتی ہے نہ اس سے بڑی کوئی اپیل کہ یہ یہ چیزیں تمہارے رب کو ناپسند ہیں۔ اگر تمہیں یقین ہے اللہ پر۔ اور تمہیں یقین ہے اس کے حضور میں حاضر ہونے پر تو جان رکھو کہ یہ چیزیں اسے پسند نہیں ہیں لہٰذا تم بھی ان سے گریز کرو۔

اس پوری بحث کا خاتمہ ان الفاظ پر ہوتا ہے۔ ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ۔ "(اے نبیؐ) یہ ہیں وہ باتیں جو آپؐ کے رب نے آپؐ پر وحی کی ہیں از قسم حکمت" یہ ہے ملکوتی دانائی۔ یہ دانائی انسان کے ذہن کی رسائی سے بلند تر ہے۔ انسان کوتاہ نظر ہے۔ اگر کسی اہم معاملے کا کوئی ایک گوشہ بھی اس کی نگاہوں سے اوجھل رہ گیا' جیسے ہم کہتے ہیں کہ ایک آنچ کی کسر رہ گئی' تو اس سے معاشرے میں جو عدم توازن پیدا ہو گا وہ پورے معاشرے میں فساد برپا کر دے گا۔ لہٰذا ان تمام چیزوں کو ایک وحدت کی حیثیت سے سمو کر صرف وحیٔ الٰہی ہی ہمیں عطا فرما سکتی ہے۔ یہاں ذرا تقابل کیجئے ہمارا سبق نمبر ۳ جو سورۂ لقمان

کے دوسرے رکوع پر مشتمل تھا' اس کا آغاز ہوا تھالفظ حکمت سے۔ وَ لَقَدۡ اٰتَیۡنَا لُقۡمٰنَ الۡحِکۡمَۃَ اَنِ اشۡکُرۡ لِلّٰہِ ط۔ اور اس رکوع کے اکثر مضامین وہی تھے جو ان آیات میں بھی آئے چنانچہ ان ہی مضامین کو ان آیات میں ایک نرالی شان کے ساتھ' نئے انداز سے اور نئے اسلوب سے لانے کے بعد اختتام ہوا۔ ذٰلِکَ مِمَّاۤ اَوۡحٰۤی اِلَیۡکَ رَبُّکَ مِنَ الۡحِکۡمَۃِ ط۔ یہ ہے حکمت و دانائی اور اس حکمت کی جو قدر و قیمت ہے اس کے بارے میں سورۃ البقرہ میں فرمایا۔ وَمَنۡ یُّؤۡتَ الۡحِکۡمَۃَ فَقَدۡ اُوۡتِیَ خَیۡرًا کَثِیۡرًا ط۔ "جسے حکمت عطا ہو گئی اسے تو خیر کثیر عطا ہو گیا" ...... اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس حکمت میں سے حصہ وافر عطا فرمائے۔ اس سلسلہ اوامر و نواہی کو جہاں حکمت سے تعبیر کیا گیا وہاں اس آیت کا اختتام پھر توحید کے بیان پر ہو رہا ہے۔ یہ مضمون اس سبق کے بالکل آغاز میں بھی آیا تھا چنانچہ یہ بات وضاحت سے بیان کی جا چکی ہے کہ چونکہ ایک اسلامی معاشرے کی اساس اور بنیاد ہی توحید ہے اور اس کے بغیر کوئی صالح معاشرہ وجود میں آ ہی نہیں سکتا لہٰذا ان آیات کے اول و آخر توحید ہی کا بیان ہے۔ فرمایا۔ وَلَا تَجۡعَلۡ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـہًا اٰخَرَ فَتُلۡقٰی فِیۡ جَہَنَّمَ مَلُوۡمًا مَّدۡحُوۡرًا ○ "اور اللہ کے سوا کسی کو اپنا معبود نہ بنانا کہ تم جھونک دیئے جاؤ جہنم میں ملامت زدہ اور دھکے دیئے جا کر۔"

اب جو باتیں آج عرض کی گئی ہیں' ان کے بارے میں کوئی وضاحت مطلوب ہو تو میں حاضر ہوں

سوال و جواب

سوال...... ڈاکٹر صاحب! قتل ناحق کی تشریح فرمایئے گا۔

جواب...... ہمارے اس سلسلہ دروس میں یہ مضمون اس سے پہلے سورۃ الفرقان کے آخری رکوع میں آ چکا ہے۔ میں آج اسی کا اعادہ کیے دیتا ہوں۔ اسلامی قانون کی رو سے انسان کو صرف چار صورتوں میں قتل کیا جا سکتا ہے۔ ایک اس کافر کو جو حربی ہو۔ یعنی صرف وہ کفار جن سے جنگ DECLARE ہے۔ باضابطہ اعلان جنگ ہے۔ انہی کو قتل کیا جا سکے گا غیر حربی کافر کو نہیں۔ اگر اسلامی ریاست میں کوئی ذمی ہے تو اس کی جان بھی بالکل اُسی طرح محترم ہے جیسے کسی مسلمان کی ہے۔ دوسرے یہ کہ قتل عمد کا ارتکاب کیا گیا ہو تو جان کے بدلے جان کے اصول کے تحت مقتول کے ورثا اگر اصرار کریں تو قاتل کی جان لے لی جائے گی۔ تیسری صورت ہے کہ اسلامی ریاست کا کوئی شادی شدہ فرد' کوئی شادی شدہ شہری اگر زنا کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کی بھی جان لی جائے گی اور اس کی ایک معین شکل ہے رجم...... چوتھی اور

آخری صورت یہ ہے کہ کوئی مسلمان مرتد ہو کر مسلمانوں کی ہیئت اجتماعی کو چھوڑ دیتا ہے تو اسے باغی قرار دے کر قتل کیا جائے گا۔ اسلامی قانون میں کسی انسان کی جان لینے کی یہ چار شکلیں ہیں جن کو احادیث میں بحق اسلام قرار دیا گیا ہے۔ ان کے سوا اور کوئی صورت نہیں ہے۔ ان کے علاوہ جو بھی صورت ہوگی وہ قتل ناحق شمار ہوگی۔

سوال...... ڈاکٹر صاحب کیا تکبر ایک نفسیاتی مرض نہیں ہے؟

جواب...... یقیناً تکبر ایک نفسیاتی مرض ہے۔ لیکن مرض خواہ وہ جسمانی ہو خواہ نفسیاتی ہو' اس کے علاج کی طرف توجہ دی جانی چاہئے۔ چنانچہ جن امراض کے بارے میں قرآن مجید اپنے آپ کو شفا قرار دیتا ہے ان کا تعلق قلوب و اذہان کے امراض اور جدید اصطلاح میں نفسیاتی امراض سے ہے۔ سورۃ یونس میں فرمایا۔ يَاَيُّهَا النَّاسُ قَدْجَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِى الصُّدُوْرِ ط۔ "اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت بھی آگئی ہے اور سینوں کے اندر جو امراض ہوتے ہیں ان کے لئے شفاء بھی آگئی ہے۔ پس میں سمجھتا ہوں کہ دلوں میں جہاں حب مال ہے۔ حب دنیا اور حب جاہ ہے' وہاں تکبر بھی ایک بہت بڑا نفسیاتی ذہنی اور قلبی مرض ہے۔ اس کے ازالے کے لئے بھی قرآن مجید کی تعلیمات اکسیر کا درجہ رکھتی ہیں۔

حضرات! آج اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہمارے اس مطالعۂ قرآن حکیم کا سبق نمبر ۱۳ مکمل ہو گیا ہے۔ اس میں ہمارے سامنے ایک اسلامی معاشرے کے خدوخال نمایاں طور پر آگئے ہیں۔ ہم نے پاکستان اس لئے بنایا تھا بقول قائداعظم کہ ہم اپنی تہذیب' اپنی ثقافت اور اپنے تمدن کو پاکستان میں رائج کر کے دنیا کے لئے ایک نمونہ بنائیں گے۔ ہم نے پاکستان تو حاصل کر لیا لیکن جس مقصد کے لئے اسے حاصل کیا تھا اس کی منزل بہت دور ہے۔ تاحال اس کی طرف ہماری صحیح طور پر پیش قدمی بھی نہیں ہوئی ہے۔ ہم میں سے ہر ہر فرد کا خواہ وہ خواص سے تعلق رکھتا ہو خواہ عوام سے۔ خواہ وہ برسراقتدار طبقے سے تعلق رکھتا ہو' خواہ عامتہ الناس سے یہ دینی فریضہ ہے کہ پاکستان کو ایک اسلامی ریاست بنانے کا ہم نے اللہ اور خلق خدا سے جو وعدہ کیا تھا اس کو پورا کرنے کے لئے ہر ممکن جدوجہد کریں۔ ہم نے آج کے سبق میں پڑھا ہے کہ۔ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ○ ۔ اگر ہم نے ایفائے عہد کے لئے خلوص کے ساتھ سعی و جہد نہ کی تو یقیناً ہم سب سے اللہ تعالیٰ کے یہاں بازپرس ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں پاکستان کے قیام کے حقیقی مقصد کی طرف صحیح طور پر پیش قدمی کی توفیق عطا فرمائے۔

جہاد بالقرآن کے پانچ محاذ

ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک فکر انگیز خطاب

(دوسری اور آخری قسط[1])

محاذِ سوم: بے یقینی

ہمارے معاشرے میں معتدبہ تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہے جو بحمداللہ شعوری سطح پر جاہلیت قدیمہ اور جدیدہ دونوں سے بچے ہوتے ہیں لیکن ان کی بیماری ایک تیسری نوع کی بیماری ہے اور وہ ہے بے یقینی کی بیماری۔ یعنی مثبت طور پر جو یقین ہونا چاہیے انہیں وہ میسر نہیں ہے۔ اور ظاہر بات ہے کہ محض منفی چیزوں سے اگر آپ نے خود کو بچا بھی لیا تو اس سے آپ کے اخلاق و کردار پر اور آپ کی زندگی کے رُخ پر کوئی فیصلہ کن اثر مترتب نہیں ہو سکتا جب تک کہ مثبت طور پر یقین نہ ہو۔ سورۃ الحجرات کی آیت نمبر ۱۴ کے درس کے ضمن میں، میں نفاق اور ایمان کے بارے میں یہ عرض کیا کرتا ہوں کہ ان دونوں کو یوں سمجھیے کہ نفاق ایک منفی قدر (MINUS VALUE) ہے اور ایمان ایک مثبت قدر (PLUS VALUE) ہے۔ پھر اس مثبت قدر میں درجہ بدرجہ اضافہ ہوتا ہے۔ ایک میرا اور آپ کا ایمان ہے، ایک صحابہ کرامؓ عشرہ مبشرہ اور بالخصوص انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ایمان ہے تو یوں سمجھ لیجئے کہ یہ معاملہ لامحدود درجے (PLUS INFINITY) تک چلتا جائے گا۔ اسی طرح نفاق کا معاملہ ہے۔ اس کا آغاز بھی ہے اور اس کا تیسرا درجہ بھی ہے جہاں پہنچ کر یہ ٹی بی کے مرض کی طرح لاعلاج ہو جاتا ہے۔ نفاق اور ایمان کے مابین ایک اور مقام ہے جسے میں ' ZERO LEVEL ' سے تعبیر کرتا ہوں۔ میں نے جس تیسرے طبقے کا ذکر کیا ہے، بدقسمتی سے اس کی اکثریت اسی سطح پر کھڑی ہے۔ یعنی کوئی منفی چیز بھی نہیں ہے، نہ جاہلیت قدیمہ ہے نہ جاہلیتِ جدیدہ۔ کم از کم شعوری سطح پر نہیں ہے۔ لیکن مثبت طور پر یقین محکم والا ایمان

---

[1] ربط مضمون کے لیے مارچ ۸۸ء کا 'میثاق' ملاحظہ فرمائیے

بھی نہیں ہے اور اس کی طرف کوئی پیش قدمی بھی نہیں ہو رہی۔ تو ضرورت اسی یقینِ محکم اور ایمانِ کامل والے ایمان کی ہے جیسے کہ علامہ اقبال نے کہا ہے ؎

یقین پیدا کر اے ناداں یقیں سے ہاتھ آتی ہے
وہ درویشی کہ جس کے سامنے جھکتی ہے فغفوری

ایمان جب یقین کی شکل اختیار کرے گا جب ہی تو اس میں ایک قوّت پیدا ہو گی۔ جب ہی وہ شخصیّت کو ایک خاص سانچے میں ڈھالے گا۔ اور پوری شخصیّت کی کایا پلٹ دے گا۔
سورۃ الحجرات ہی کی آیت نمبر ۷ میں صحابہ کرامؓ کو خطاب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے
وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۔ "اللہ نے ایمان کو تمہارے نزدیک بہت محبوب کر دیا ہے اور اس کو تمہارے دلوں کے اندر مزیّن کر دیا ہے"۔ نورِ ایمان نے تمہارے دِلوں کو منوّر کر دیا ہے۔ یہ ایمان اللہ کے فضل و کرم سے تمہارے دلوں میں راسخ اور جاگزیں ہو گیا ہے۔ جب تک یہ کیفیت نہ ہو، ایمان کے اثرات انسان کے سیرت و کردار، معاملات اور عملی رویے پر مترتب نہیں ہوں گے۔ اب اس بے یقینی کا علاج کہاں سے لایا جائے! اس کا دارو کہاں ملتا ہے!

علاج اس کا وہی آبِ نشاط انگیز ہے ساقی

اِسی قرآنِ حکیم کی آیاتِ بیّنات ہی سے اس بے یقینی کا علاج ہو گا۔ بقول مولانا ظفر علی خان مرحوم:

؎ وہ جنس نہیں ایمان جسے لے آئیں دکانِ فلسفہ سے
ڈھونڈے سے ملے گی عاقل کو یہ قرآں کے سیپاروں میں

یقین والے ایمان کا اصل ذریعہ (SOURCE) قرآن ہے۔ اگرچہ اس کا ایک ذریعہ اور بھی ہے۔ لیکن وہ ثانوی ہے۔ صاحب یقین کی صحبت سے بھی یقین والا ایمان پیدا ہوتا ہے ع صحبتِ صالح تُرا صالح کند۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ صاحبِ یقین کے قرب کی مثال ایسے ہے جیسے آگ کی ایک بھٹی دہک رہی ہو، آپ اس کے قریب جائیں گے تو حرارت آپ کو پہنچ کر

رہے گی۔ یہ قانونِ طبعی ہے۔ برف کی سِل کے پاس بیٹھیں گے تو برودت تو آپ سے آپ پہنچے گی۔ تو اگر کسی کے دل میں یقین والے ایمان کی شمع روشن ہے تو آپ اگر اس کے قریب رہیں گے، اس کی صحبت سے فیض اٹھائیں گے تو آپ کو بھی یقین کی دولت ملے گی۔ لیکن میں اس کو ثانوی اس لیے کہہ رہا ہوں کہ ہمیں پہلے یہ طے کرنا پڑے گا کہ وہ صاحبِ یقین کہاں سے آئے گا! تو اچھی طرح ذہن نشین کر لیجیے کہ ایسے صاحبِ یقین پیدا کرنے کا واحد ذریعہ بھی قرآن حکیم ہے۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت میں یہ دوں گا کہ دنیا کے سب سے عظیم صاحبِ یقین جن سے بڑا کوئی صاحبِ یقین ہو ہی نہیں سکتا۔ خاتم النبیینؐ، سیّد المرسلین حضرت محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ قرآن مجید میں سورۃ الشوریٰ کی آخری سے پہلے والی آیت یعنی آیت نمبر ۵۲ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان و یقین کا تجزیہ کر کے بتا دیا گیا کہ حضورؐ کو ایمان و یقین کہاں سے ملا! ارشاد فرمایا گیا:

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ ۔

"(اے نبیؐ!) اسی طرح ہم نے اپنے امر سے ایک رُوح (یعنی یہ قرآن مجید) آپؐ کی طرف وحی کیا ہے (اس سے پہلے) آپؐ کو معلوم نہ تھا کہ کتاب کسے کہتے ہیں اور ایمان کیا ہوتا ہے"!

یعنی آپ تو اُمّی تھے۔ اُمیّوں میں پیدا ہوئے۔ نہ تورات کے پڑھے ہوئے، نہ انجیل کے پڑھے ہوتے۔ معروف معنوں میں آپؐ بالکل پڑھے لکھے نہیں تھے۔ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا۔ "لیکن ہم نے اس (قرآن) کو نور بنا دیا جس کے ذریعے سے ہم ہدایت دیتے ہیں اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں"۔ اور اب جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حاملِ قرآن بن گئے تو: وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ "اور اب آپؐ یقیناً نوعِ انسانی کو سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیں گے"۔

نورِ وحی سے قبل حضورؐ کے ایمان کی ماہیّت

یہاں مجھے تھوڑی سی وضاحت کرنی ہوگی مبادا مغالطہ ہو جائے۔ یہاں اشکال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حضورؐ وحی کے نزول سے قبل مومن نہیں تھے؟ اسی نوع کی ایک بحث ہمارے یہاں

حضورؐ کے آباؤ اجداد کے بارے میں بھی چلتی ہے کہ کیا جناب عبداللہ، جناب عبدالمطلب، جناب آمنہ کو ہم کافر یا مشرک کہیں گے ؟ یہ بحثیں عوامی سطح پر ہوتی ہیں اور اس میں بڑی جذباتیت آجاتی ہے۔ تو جان لیجئے کہ قرآن مجید میں سورۃ النور کی آیات نور کے ذریعہ یہ بتاتا ہے کہ نورِ ایمان کے دو اجزائے ترکیبی ہیں، ایک نورِ فطرت اور ایک نورِ وحی۔ نورِ فطرت کی مثال صاف شفاف روغن کی ہے جو گویا بھڑکنے کے لیے بیتاب ہوتا ہے چاہے دیا سلائی ابھی اس کے قریب نہ آئی ہو، جیسے پٹرول۔ تو درحقیقت انسان کی فطرت میں ایمان کا نور بالقوہ (POTENTIALLY) موجود ہوتا ہے البتہ اس پر پردے پڑجاتے ہیں بعض لوگوں کے وہ پردے اتنے دبیز اور بھاری ہوتے ہیں کہ اُٹھائے نہیں اُٹھتے۔ نورِ وحی بھی آکر اُن لوگوں کے اِن پردوں کو چیر کر دل کے اندر جو نورِ فطرت کا روغن ہے۔ اس تک رسائی حاصل نہیں کرسکتا۔ لہٰذا ایسے لوگ نورِ ایمان سے محروم رہ جاتے ہیں۔ لیکن اس کے برعکس وہ شخص جس کے قلب پر کوئی حجاب نہیں یعنی سلیم الفطرت اور سلیم القلب انسان۔ (بلفواتے الفاظ قرآنی : اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ) تو اس کے پاس جیسے ہی نورِ وحی آتا ہے تو یوں سمجھیے جیسے کہ آئینے کے سامنے روشنی آگئی "لہٰذا" نورِ وحی سے اس کا آئینہ قلب جگمگا اُٹھتا ہے۔ تو یہ ہے مثال نورِ فطرت اور نورِ وحی کی۔ اسی کو سورۃ النور میں نُورٌ عَلٰی نُورٍ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ لہٰذا ہم یوں کہیں گے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مبارک میں ایمان بالقوہ یا 'DORMENT FORM' میں تو موجود تھا۔ لیکن اس کو تحریک وحی سے ملی، وحی نے اُسے متحرک کیا، اُسے 'ACTUALISE' کیا، یہ ہے مفہوم اِن الفاظِ مبارکہ کا:

مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا۔ سورۃ البقرۃ کی آخری دو آیات جن کے متعلق صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ یہ آیات حضورؐ کو شبِ معراج میں اُمت کے لیے بطور تحفہ خاص عطا ہوئی تھیں یہ ان میں سے پہلی آیت میں قرآنِ حکیم پر پہلے خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان لانے کا ذکر ہے اور پھر صحابہ کرامؓ کے ایمان لانے کا: اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ۔

دلکش ترین ایمان کس کا ہے؟

اس ضمن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بڑی پیاری حدیث مشکوٰۃ شریف کے آخری باب" باب ثواب ھذہ الامۃ" میں شامل ہے۔ اس حدیث کو حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد کے واسطے سے اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں۔ چشم تصور سے دیکھیے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مجلس میں رونق افروز ہیں۔ آپؐ صحابہؓ سے سوال کرتے ہیں: اَیُّ الْخَلْقِ اَعْجَبُ اِلَیْکُمْ اِیْمَانًا۔ "مجھے بتاؤ تمہارے نزدیک سب سے زیادہ عجیب ایمان کس کا ہے؟"۔ اعجب' عجیب سے اسم تفضیل ہے۔ اردو میں 'عجیب' کا لفظ حیران کن یا غیر معمولی بات کے لیے مستعمل ہے، لیکن عربی میں عجیب دل کو لبھانے والی شے کو کہتے ہیں یعنی دلکش اور دل خوش کن چیز۔ سورۃ الاحزاب میں یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ فرمایا گیا: وَلَوْ اَعْجَبَکَ حُسْنُھُنَّ "اور چاہے ان کا حسن آپؐ کے دل کو کتنا ہی لبھانے والا کیوں نہ ہو" سورۃ المنافقون میں ارشاد ہوا: وَاِذَا رَاَیْتَھُمْ تُعْجِبُکَ اَجْسَامُھُمْ۔ "اور جس وقت آپؐ ان کو دیکھتے ہیں تو ان کے بدن آپ کو خوش لگتے ہیں"۔ تو حضورؐ نے صحابہؓ سے دریافت فرمایا کہ تمہارے نزدیک سب سے زیادہ دلکش، دل کو لبھانے والا' اور حسین ایمان کس کا ہے؟ یہ بھی حضورؐ کی تعلیم و تربیت کا ایک انداز ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا: "فرشتوں کا" حضورؐ نے اس کو رد فرمادیا: "وَمَا لَھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ وَھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ" وہ ایمان کیسے نہیں لائیں گے جبکہ وہ اپنے ربّ کے پاس ہیں۔ ان کے لیے تو غیب کا پردہ حائل نہیں ہے۔ وہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں تو اس میں کون سا کمال ہے؟ پھر صحابہؓ نے عرض کیا: فَالنَّبِیُّوْنَ "پھر نبیوں کا ایمان ہے!"

حضورؐ نے فرمایا: وَمَا لَھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ وَالْوَحْیُ یَنْزِلُ عَلَیْھِمْ۔ "وہ کیسے ایمان نہیں لائیں گے جبکہ ان پر وحی نازل ہوتی ہے!" انبیاءؑ پر اللہ کا فرشتہ وحی لے کر نازل ہوتا ہے۔ انہیں غیب کی خبروں سے مطلع کرتا ہے پھر اللہ ان کو اپنی نشانیوں میں سے کچھ نشانیوں کا مشاہدہ کراتا ہے۔ لہٰذا وہ کیسے ایمان نہیں لائیں گے اور ان کا ایمان 'اعجب' کیسے ہوگا! تیسری بار صحابہ کرامؓ

نے بڑی ہمّت و جرأت کر کے اور ڈرتے ڈرتے عرض کیا: "فَنَحْنُ" پھر ہم ہیں۔ ہمارا ایمان اعجب ہے۔ حضورؐ نے اس کو بھی ردّ فرما دیا: وَمَا لَکُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ وَاَنَا بَیْنَ اَظْھُرِکُمْ۔ "تم کیسے ایمان نہ لاتے جب کہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں"۔ یعنی اللہ کی سب سے بڑی نشانی اور اس کا سب سے بڑا معجزہ تمہارے سامنے ہے۔ تم کو میرے دیدار اور میری صحبت کا فیض حاصل ہے۔ میری ذات سے جن برکات کا ظہور اور اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا جو نزول ہو رہا ہے وہ تمہارے سامنے ہیں۔ انتہائی قلیل تعداد اور بے سروسامان ہونے کے باوجود اللہ کی نصرت و تائید سے تمہیں مشرکین و کفار پر جو فتوحات حاصل ہو رہی ہیں، ان کا تم اپنی چشم سر سے ہر لمحہ مشاہدہ کرتے ہو۔ میں نے بنفسِ نفیس تمہیں توحید کی دعوت پہنچائی ہے، تم پر قرآن مجید کی تبلیغ اور اس کے معارف و حِکَم کی تبیین کی ہے، تو تم کیسے ایمان نہ لاتے!۔ اب حضورؐ خود جواب ارشاد فرماتے ہیں: اِنَّ اَعْجَبَ الْخَلْقِ اِلَیَّ اِیْمَانًا۔ "میرے نزدیک تو سب سے زیادہ حسین، دلربا، دلکش اور حسین ایمان اُن کا ہوگا: لَقَوْمٌ یَکُوْنُوْنَ مِنْ بَعْدِیْ "وہ لوگ جو میرے بعد ہوں گے"۔ یَجِدُوْنَ صُحُفًا فِیْھَا کِتَابٌ۔ "ان کو تو اوراق ملیں گے جن میں ایک کتاب (قرآن مجید) درج ہوگی"۔ یُؤْمِنُوْنَ بِمَا فِیْھَا۔ "وہ اس کتاب پر ایمان لائیں گے"۔ یعنی وہ نہ میرے دیدار سے شاد کام ہوتے، نہ انہوں نے میری صحبت سے فیض اٹھایا، نہ انہوں نے ان برکات، معجزات، نزولِ رحمت اور نصرتِ الٰہی کا بچشم سر مشاہدہ کیا لیکن وہ اس قرآن پر ایمان لانے کے ذریعے سے ان تمام حقائق کونیہ و تشریعیہ پر ایمان لائیں گے جو میں لے کر آیا ہوں۔ اس مقام پر ایک اہم بات کی وضاحت ضروری ہے یہاں افضلیت کی بات نہیں ہو رہی۔ انبیاء کے بعد افضل ترین ایمان لاریب صحابہ کرامؓ ہی کا ہے۔ یہاں حسین و دلکش ایمان کی بات ہو رہی ہے۔ ان کے ایمان کی جنہوں نے نہ اللہ کی سب سے عظیم نشانی یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور کا دیدار کیا اور نہ دنیا کے عظیم ترین مربی و مزکی کی صحبت سے مستفیض ہوئے۔ لیکن انہوں نے نورِ ایمان قرآن مجید سے حاصل کیا جو درحقیقت منبع و سرچشمہ ایمان ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ نور قرار دے رہا ہے: جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّھْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا۔ تو ایک سند قرآن مجید سے اور ایک سند حدیث شریف

سے کافی ہے۔ معلوم ہوا کہ بے یقینی کے اس روگ کا واحد علاج قرآن حکیم ہی ہے۔ یہی بے یقینی کو ختم کرنے والی واحد تلوار ہے۔ چنانچہ 'بے یقینی' کے خلاف بھی "جہاد بالقرآن" کرنا ہوگا۔ اس کے سوا ہمارے پاس اور کوئی چارۂ کار نہیں۔!

محاذِ چہارم:

نفس پرستی اور شیطانی ترغیبات

اس دور میں نفس پرستی اور شیطانی ترغیبات کا محاذ بڑی اہمیّت کا حامل ہے۔ اس ضمن میں عام لوگوں کی نفس پرستی اتنی اہمیت نہیں رکھتی۔ اس لیے کہ اس کا سبب تو وہی ہے جس پر جاہلیّتِ قدیمہ، جاہلیتِ جدیدہ اور بے یقینی کے محاذوں کے ضمن میں گفتگو کے دوران اشارات ہو چکے ہیں، اور پھر اس نفس پرستی کا تعلّق زیادہ تر افراد کی اپنی ذاتی زندگی سے ہے لیکن ہمارے یہاں ایک طبقہ ایسا بھی ہے، جس نے اِسے باقاعدہ ایک منظّم ادارے (INSTITUTION) کی شکل دے رکھی ہے اور کلچر اور ثقافت کے نام پر منکرات و فواحش کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ ایک مسلمان کے دل میں اباحیت اور منکرات سے جو بُعد اور نفور ہوتا تھا اور حرام چیزوں کے خلاف دل میں جو جذبۂ نفرت ہوتا تھا اسے ثقافتی طائفوں، ریڈیو اور ٹی وی ڈراموں، راگ و رنگ کی محفلوں اور تعلیمی، کاروباری، دفتری اور صنعتی اداروں میں مرد و زن کے مخلوط طریقِ کار کے ذریعے ختم کر دیا گیا ہے۔ اور اس سارے نظام کو ایک طرف اباحیت پسند طبقے اور دوسری طرف خود سرکاری سطح پر سرپرستی حاصل ہے۔ اس کو تہذیب، ثقافت، فنونِ لطیفہ اور مرد و زن کی مساوات کے خوشنما نام دیتے گئے ہیں۔ اب بے پردگی، نیم عریانی، خواتین کی رنگین و مزیّن تصاویر کو تہذیب و تمدّن کی ناگزیر ضرورت قرار دیا گیا ہے۔ اور اس طرح عورت کو چراغِ خانہ سے شمعِ محفل اور اس سے بڑھ کر اشتہاری جنس بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ ہمارے اخبارات و رسائل (اِلَّا مَاشَاءَ اللہ) اور دوسرے ذرائع ابلاغ اس میں مسابقت کی دوڑ میں لگے ہوئے ہیں۔ اس کو وقت اور زمانے کا تقاضا سمجھ لیا گیا ہے۔ دین تو ایک طرف، ہماری جو معاشرتی تہذیبی اور

مجلسی اقدار تھیں، ان سب کو بھی پامال کیا جا رہا ہے۔ جو لوگ یہ سب کچھ کر رہے ہیں وہ اگرچہ اقلیّت پر مشتمل ہیں لیکن بدقسمتی سے ان کا ذرائع ابلاغ پر پوری طرح غلبہ اور تسلّط ہے۔ اس اقلیّتی گروہ نے کچھ وقتی تقاضوں اور کچھ لوگوں کے دینی رجحان کے پیشِ نظر ان ذرائع ابلاغ کا کچھ حصّہ اسلامی اور دینی پروگراموں کے لیے بھی مخصوص کر رکھا ہے جو اکثر و بیشتر محض بہلاوے اور دکھاوے کے لیے ہوتے ہیں اور بڑی چابک دستی اور ہوشیاری یہ برتی جاتی ہے کہ کہیں کوئی ایسا کام نہ ہو جائے کہ ان ذرائع ابلاغ سے عوام الناس تک دین کا حقیقی پیغام پہنچ جائے۔ مبادا اعجازِ قرآنی لوگوں کے اذہان و قلوب میں نفوذ کر کے ان کو مسخر کر لے وہی احتیاط خوف جس کا اظہار علامہ اقبال مرحوم نے اپنی نظم "ابلیس کی مجلسِ شوریٰ" میں ابلیس کی زبان سے اس طرح کرایا ہے ؎ عصرِ حاضر کے تقاضوں سے ہے لیکن یہ خوف ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبر کہیں

لہٰذا سرکاری ذرائع ابلاغ میں دین و مذہب کے نام سے جو پروگرام رکھے جاتے ہیں یا اخبارات و رسائل میں جو صفحات مختص کیے جاتے ہیں ان میں بظاہر احوال کوشش یہ ہوتی ہے کہ غیر محسوس طریقے سے انتشار (CONFUSION) کو ہوا دی جائے۔ چنانچہ کوئی مشرق کی بات کہتا ہے تو کوئی مغرب کی بات لکھتا ہے۔ کوئی شمال کی بات کہے تو اگلا جنوب کی بات کرے۔ تاکہ دین و مذہب کے بارے میں نفسیاتی الجھاؤ اور ذہنی انتشار بڑھتا چلا جائے۔ پھر بالفرض کوئی مؤثر بات آ ہی جائے تو فوری طور پر اس کے متصلاً بعد کچھ ایسے پروگرام رکھ دیئے جائیں جن کے ذریعے یہ اثرات زائل ہو جائیں، ذہن سے محو ہو جائیں یعنی

ع چشمِ عالم سے رہے پوشیدہ یہ آئیں تو خوب

پھر ان تمام ذرائع ابلاغ و وسائلِ ابلاغ کے کرتا دھرتا ان خواتین کے بیانات، مضامین، انٹرویوز، تصاویر اور خبروں کو انتہائی نمایاں کرتے ہیں جو مغرب زدہ اور اباحیت پسند ہیں اور ہمارے ملک میں انتہائی اقلیّت میں ہیں۔ لیکن تاثر یہ دیا جاتا ہے گویا ہمارے ملک کی خواتین کی اکثریت اسی طرزِ فکر کی حامل خواتین کی ہے۔ جن کے نزدیک دین و مذہب اور ہماری تہذیبی و معاشرتی اقدار پرِ کاہ کے برابر بھی وقعت اور حیثیت نہیں رکھتیں۔ حالانکہ امرِ واقعہ یہ ہے کہ ہمارے ملک کی عظیم اکثریت ان دین پسند خواتین پر مشتمل ہے جن کے نظریات ان

مغرب زدہ خواتین کے نظریات کے بالکل برعکس ہیں۔ لیکن معاملہ چونکہ یہ ہے کہ ع "ولیکن قلم در کفِ دشمن است"۔ لہٰذا خواتین کے اس قلیل ترین طبقے کو وسائلِ ابلاغ کے ذریعے اس طرح 'PROJECT' اور نمایاں کیا جاتا ہے گویا پاکستان میں بسنے والی تمام خواتین اسی نظریہ وخیال کی حامی ہیں۔ یہ ہے اس جہاد کا چوتھا محاذ۔ اب سوال یہ ہے کہ اس محاذ پر ہم کیا کر سکتے ہیں!

کشتۂ شمشیرِ قرآنش کنی

ان ذرائع ابلاغ سے معاشرے میں نفس پرستی کا جو نفوذ ہو رہا ہے اور انسان کی سوچ رجحانات ومیلانات کو جو غلط رُخ پر ڈالا جا رہا ہے اس سے مقابلے کے لیے بھی ہمارے پاس ڈھال اور تلوار قرآن ہی ہے۔ مَیں نے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کے اس عزم کو بہت عام کیا ہے جس کا حضرت شیخ الہندؒ نے ۱۹۲۰ء میں اسارتِ مالٹا سے رہائی کے بعد دار العلوم دیوبند میں علماء کے ایک اجتماع میں اظہار کیا تھا:

> "میں وہیں (مراد ہے اسارتِ مالٹا) سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صرف کردوں کہ قرآن کریم کو لفظاً ومعناً عام کیا جائے۔ بڑوں کو عوامی درسِ قرآن کی صورت میں اس کے معانی سے روشناس کرایا جائے اور قرآنی تعلیمات پر عمل کے لیے آمادہ کیا جائے ..."

لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ہمارے علمائے حقّانی وربّانی جو اپنا تعلّق امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہما اللہ سے قائم کرنے کو اپنے لیے موجبِ اعزاز وافتخار سمجھتے ہیں۔ وہ فقہی وکلامی تعبیر اور استنباط کی بحثوں سے صرفِ نظر کر کے ایک منظّم تحریک کی شکل میں حضرت شیخ الہندؒ کے عزم کو عملی شکل دینے کے لیے کمرِ ہمّت کس لیں۔ شہر شہر، محلہ محلہ، کوچہ کوچہ، قریہ قریہ عوامی درسِ قرآن کے حلقے قائم کریں اور قرآنِ مجید، فرقانِ حمید کی شمشیرِ برّاں کے ذریعے نفس پرستی اور اباحیت پسندی کے خلاف جہاد کریں اور اس سیلاب کے آگے سدِّ ذو القرنینی بن جائیں۔ یہی پیغام اس مردِ قلندر نے

آج سے قریباً نصف صدی قبل دیا تھا جس کو بجا طور پر حکیم الامّت کہا جاتا ہے یعنی ڈاکٹر علاّمہ اقبال مرحوم و مغفور۔ ان کا پیغام تھا ؎

اے کہ می نازی بہ قرآنِ عظیم — تا کجا در حجرہ ہا باشی مقیم!
در جہاں اسرارِ دیں را فاش کن — نکتۂ شرعِ مبیں را فاش کن

"اے وہ شخص جسے حاملِ قرآنِ عظیم ہونے پر فخر ہے۔ آخر کب تک حجروں اور گوشوں میں دبکے رہو گے۔ ہ اٹھو اور دنیا میں دینِ حق کے اسرار و رموز اور عرفان و فیضان کو عام کرو اور شریعتِ اسلامی کے حِکَم و عبر کی نشر و اشاعت کے لیے سرگرمِ عمل ہو جاؤ"۔ یہ ہے علاّمہ مرحوم کا پیغام حاملِ قرآن اُمّت اور بالخصوص علمائے حق کے لیے۔ بفضلہٖ تعالیٰ ملک کا کوئی قابلِ ذکر شہر ایسا نہیں ہے، جس میں غالب اکثریت ایسے علماء کرام کی نہ ہو، جن کا امام الہند شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور شیخ الہند مولانا محمود حسن دیو بندیؒ یا حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین جیسے اکابر سے ارادت و عقیدت کا تعلق نہ ہو، آخر الذکر بھی درحقیقت ولی اللٰہی اور دیو بند کے مکتبِ فکر سے وابستہ رہے ہیں اور تھانوی مکتبِ فکر ہو یا ندوی، یہ سب ایک ہی تسبیح کے دانے ہیں۔ اسی طرح مسلکِ سلفی کا تعلق تو براہِ راست حضرت شاہ اسمٰعیل رحمۃ اللہ علیہ جیسے غازی و مجاہد اور شہید اور امام الہند شاہ ولی اللہ دہلوی سے قائم ہے۔ اگر ہمارے یہ علماء عظام منظم ہو کر عوامی درسِ قرآن کی تحریک برپا کر دیں تو ان شاء اللہ العزیز نفس پرستی، اباحیت پسندی، اور خدا ناآشنا ثقافت و فنونِ لطیفہ کے نام سے جو زہر ہمارے معاشرے میں پھیلایا جا رہا ہے اس کا سدّباب بھی ہو جائے گا اور جیسے جیسے قرآن حکیم اُمّت کے اذہان و قلوب میں نفوذ اور سرایت کرے گا تو نتیجتہً ذرائع ابلاغ پر قابض اباحیت پسند قلیل طبقہ یا تو اپنا رویہ تبدیل کرنے یا اسلام کے سچے خادموں کے لیے جگہ خالی کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔ البتہ اس کے لیے ناگزیر شرط یہ ہے کہ تمام انواع کے فقہی و کلامی اختلافات و تاویلات سے دامن بچایا جائے اور قرآنِ حکیم کا انقلابی پیغام عامۃ الناس تک پہنچایا جائے اگر اس احتیاط کو ملحوظ نہ رکھا گیا تو ابلیس کا وہ مشورہ کارگر ہو گا جو اس نے اپنی شوریٰ میں بقول علاّمہ اقبال پیش کیا تھا کہ :؎

ہے یہی بہتر الٰہیات میں اُلجھا رہے — یہ کتابُ اللہ کی تاویلات میں اُلجھا رہے

ذہن وفکر کی تطہیر اور سیرت وکردار کی تعمیر کی اساس اور نفس پرستی کے سیلاب کے آگے کوئی چیز اگر سد اور بند بن سکتی ہے تو وہ صرف اور صرف قرآنِ مجید ہے۔ اباحیت و نفس پرستی کے قلع قمع کے لیے اگر ہمارے ہاتھ میں کوئی تیغ بے زنہار ہے تو وہ قرآنِ مجید ہے۔ علامہ اقبال کے یہ اشعار میں نے بارہا آپ کو سنائے ہیں۔ انہیں پھر پیش کر رہا ہوں۔ یہ اشعار میرے مفہوم ومطلوب کو آپ کے اذہان وقلوب میں منتقل اور جاگزیں کرنے میں بہت ممد ومعاون ہوں گے۔

کشتنِ ابلیس کارے مشکل است — زانکہ اُو گم اندر اعماقِ دل است
خوشتراں باشد مسلمانش کنی — کشتۂ شمشیرِ قرآنش کنی

"ابلیس کو ہلاک کر دینا ایک نہایت مشکل کام ہے اس لیے کہ اس کا بسیرا نفسِ انسانی کی گہرائیوں میں ہے۔ بہتر صورت یہ ہے کہ اُسے قرآنِ حکیم کی حکمت وہدایت کی شمشیر سے گھائل کر کے مسلمان بنا لیا جائے"

واقعہ یہ ہے کہ آج ہماری ملی وقومی زندگی کے شعور کی گہرائیوں میں آرٹ کونسلز، ثقافتی طائفوں کے مبادلوں، راگ ورنگ کی محفلوں، رومانی ڈراموں، افسانوں اور لٹریچر اور ٹیلی ویژن کے مختلف 'CULTURAL SHOWS' نے ڈیرا لگا رکھا ہے۔ ہمارے ملک کی اعلیٰ ترین سطح کی شخصیتیں اس میٹھے زہر کی سرپرستی کر رہی ہیں۔ ان سے نبرد آزما ہونا آسان کام نہیں ہے۔ بہتر شکل یہی ہے کہ قرآن کی تلوار سے ان اربابِ اختیار کو مسلمان بنانے کی کوشش کی جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ نفسانیت اور شہوانیت تو ہمارے نفس کے اندر ہی ہیں شیطان ان نفسانی خواہشات ودواعیات کو بھڑکاتا ہے، انہیں مشتعل کرتا ہے۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کرتا۔ چنانچہ آخرت میں جب فیصلے چکا دیئے جائیں گے تو جو لوگ دنیا میں شیطان کے دجل وفریب کا شکار ہوتے تھے وہ اس کو ملامت کریں گے۔ شیطان اس کا جو طویل جواب دے گا اُسے اللہ تعالیٰ نے سورۃ ابراہیم میں نقل فرمایا ہے۔ اس جواب میں وہ کہے گا:

وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ۭ

"میرا تم پر کوئی زور تو تھا نہیں! میں نے اس کے سوا اور کچھ نہیں کیا کہ تمہیں اپنے راستے کی طرف بلایا۔ (راسے خوش نما، دلفریب اور تمہارے نفس کے لیے لذت کوش بنا کر پیش کیا) تو تم نے میری دعوت پر لبیک کہا۔ پس اب مجھے ملامت نہ کرو، بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو۔ یہاں نہ میں تمہاری کوئی فریاد رسی کر سکتا ہوں (اور تمہارے کام آسکتا ہوں) اور نہ ہی تم میری فریاد رسی کر سکتے (اور میرے کام آسکتے ہو۔"

معلوم ہوا کہ شیطان اپنے راستے کو بہت مزین کر کے انسان کو اس کی طرف بلاتا ہے، پھر انسان کے نفس میں، اس کے پورے وجود میں اس کی دعوت خوش نما زہر بن کر سرایت کر جاتی ہے۔ لہٰذا اس زہر کے لیے تریاق بھی وہ درکار ہے جو پورے وجود میں سرایت کر سکے اور پھر جس میں حلاوت اور تاثیر بھی ہو۔ ایسا کوئی تریاق سوائے قرآن کے اور کوئی نہیں ہے

چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود
جاں چوں دیگر شد جہاں دیگر شود

یہ قرآن اگر کسی کے اندر اتر جائے تو اندر ایک انقلاب آجائے اور فرد کے اندر کا یہ انقلاب ایک بین الاقوامی انقلاب کا پیش خیمہ بن سکتا ہے۔

محاذِ پنجم

فرقہ واریت

ہمارا پانچواں محاذ جس پر ہمیں جہاد بالقرآن کرنا ہے وہ فرقہ واریت، تشتت، انتشار اور باہمی اختلافات کا محاذ ہے۔ یہ عناصر وحدتِ اُمّت کو صدیوں سے دیمک کی طرح چاٹ رہے ہیں۔ انہی کے باعث دولتِ عباسیہ ختم ہوئی اور سقوطِ بغداد کا سانحہ پیش آیا۔ انہی کی وجہ سے بغداد کے گلی کوچوں میں اہلِ سنت کے دو گروہ دست بگریباں ہوئے، تلواریں بے نیام ہوئیں اور خون کی ندیاں بہائی گئیں۔ سلطنتِ ہسپانیہ کے زوال و انحطاط اور پھر کامل سقوط کے عوامل میں جہاں قبائلی عصبیتیں کارفرما تھیں وہاں اس تباہی میں فقہی و کلامی اختلافات

کا عمل دخل بھی تھا۔ اور اب محسوس ہو رہا ہے کہ یہ اختلافات سلطنتِ خداداد پاکستان کے لیے بھی روز بروز زیادہ سے زیادہ نازک اور خطرناک صورت اختیار کرتے چلے جا رہے ہیں۔ پچھلے دنوں اخبارات نے اس نازک مسئلہ پر اداریے لکھے اور تشویش کا اظہار کیا جو بالکل صحیح اور درست تھا۔ ماضی قریب میں بادشاہی مسجد کے ایک مبینہ واقعہ بلکہ محض افواہ پر معرکہ آرائی کی جو تکلیف دہ صورتحال بنی تھی، یہ چنگاری جنگل کی آگ بن سکتی تھی اور ہم میں سے ہر شخص اپنے طور پر اس کا اندازہ لگا سکتا ہے کہ یہ آگ ہمارے لیے کتنی ہولناک اور تباہ کن ثابت ہو سکتی تھی۔ فرقہ واریت کا بارود اب بھی ہمارے یہاں موجود ہے، کوئی شر پسند گروہ اس کو کسی وقت بھی دیا سلائی دکھا سکتا ہے۔ اس نازک صورتحال میں ہماری ملی و سیاسی زندگی اور ہمارے وطن کے مستقبل کے لیے جو خطرات مضمر ہیں، میں اس وقت ان کے بارے میں بات نہیں کر رہا۔ پھر یہ کہ فی الوقت صورتِ حال جس ہلاکت خیزی کے دہانے تک پہنچی ہوئی ہے اس کے اسباب و علل کے متعلق بھی میں اس وقت کچھ عرض نہیں کروں گا۔ اس وقت مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ اس کا علاج صرف تشویش ظاہر کرنے سے تو نہیں ہو جاتے گا۔ محض پریشان ہونے سے تو کوئی مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ اس کے لیے مثبت کام کرنا ہو گا۔ اس کے لیے بھی جہاد کرنا ہو گا اور اس جہاد کے لیے بھی قرآن ہی واحد تلوار ہے۔

اعتصام کن کہ حبل اللہ اوست

فرقہ واریت کے اس عفریت کا سر قلم کرنے کے لیے، اس کا قلع قمع کرنے کے لیے اور اس کو نیست و نابود کرنے کے لیے واحد تلوار صرف قرآن ہے۔ یہی سبق ہم کو سورۃ آل عمران کی آیت ۱۰۳ کے ابتدائی الفاظِ مبارکہ میں ملتا ہے: وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا۔ تمام مفسرین اور تمام علماءِ عظام کا اس امر پر اجماع ہے کہ یہاں حبل اللہ سے مراد قرآن مجید ہے اور یہ رائے متعدد احادیث صحیحہ کی روشنی میں قائم کی گئی ہے۔ آیتِ مبارکہ کے اس حصے سے علامہ اقبال مرحوم نے جو کچھ اخذ کیا ہے وہ میں آگے بیان کروں گا۔ اس وقت میں اکبر الہ آبادی مرحوم کا ایک شعر سناتا ہوں جو ہمارے موجودہ حالات پر منطبق ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں۔ ع

صوم ہے ایمان سے، ایمان غائب صوم گم

یعنی آدمی روزہ۔ تو ایمان ہی کے تقاضے کے تحت رکھ سکتا ہے۔ خاص طور پر موجودہ موسم گرما کے یہ روزے۔ جب ایمان ہی نہیں رہا تو صوم تو آپ سے آپ گیا۔ پھر اس کا التزام اہتمام کیسے ہوگا! اگلا مصرع نہایت قابل توجّہ ہے ؏

قوم ہے قرآن سے، قرآن رخصت قوم گم

مسلمانوں کی ملّی اور قومی شیرازہ بندی قرآن سے ہے۔ قرآن درمیان سے ہٹ گیا یا آپ کی توجّہ قرآن سے ہٹ گئی تو نتیجہ ایک ہی ہوا۔ یعنی وحدتِ ملّی کا شیرازہ بکھر گیا۔ اسے اقبال نے اس طرح تعبیر کیا ہے ؏

یا مسلماں مُرد یا قرآں بمرد!

یا مسلمان مر چکا ہے یا معاذ اللہ قرآن مر چکا ہے۔ اقبال دراصل یہ کہہ رہے ہیں کہ قرآن تو زندہ و پائندہ ہے، لیکن مسلمانوں کی توجّہ مر چکی ہے۔ قرآن سے ان کا شغف اور التفات ختم ہو چکا ہے۔ چنانچہ علامّہ مرحوم نے مسلمانوں کو چونکانے کی غرض سے یہ پیرایۂ بیان اختیار کیا ہے۔ عظمتِ قرآن کے بیان میں علامّہ کے یہ اشعار بھی انتہائی قابلِ توجّہ ہیں:

فاش گویم آنچہ در دل مضمر است ‏ ‏ ‏ ‏ این کتابے نیست چیزے دیگر است
مثلِ حق پنہاں وہم پیداست اُو ‏ ‏ ‏ ‏ زندہ و پائندہ و گویاست اُو
صد جہانِ تازہ در آیاتِ اوست ‏ ‏ ‏ ‏ عصرہا پیچیدہ در آناتِ اوست

"اس قرآن کے بارے میں جو بات میرے دل میں پوشیدہ ہے اُسے اعلانیہ ہی کہہ گزروں! حقیقت یہ ہے کہ یہ محض کتاب ہی نہیں ہے کچھ اور ہی شے ہے!۔ یہ ذاتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کا کلام ہے لہٰذا اُسی کی مانند پوشیدہ بھی ہے اور ظاہر بھی۔ اور یہ کتاب جیتی جاگتی اور بولتی بھی ہے اور ہمیشہ قائم رہنے والی بھی ہے۔ اس کی آیتوں میں سینکڑوں تازہ جہان آباد ہیں اور اس کے ایک ایک لمحے میں بے شمار زمانے موجود ہیں۔"

لیکن مسلمانوں کا اس کتابِ الٰہی، اس ہدًی للناس، اس فرقانِ حمید، اس نسخۂ شفا کے ساتھ کیا سلوک و روّیہ باقی رہ گیا ہے اس کا نوحہ اقبال اس طرح کرتے ہیں ؎

بآیاتش ترا کارے جُز ایں نیست! ‏ ‏ ‏ ‏ کہ از یاسینِ اُو آساں بمیری!

"لیکن افسوس کہ اے مسلمان! تجھے اس قرآن کی آیات سے اب اس کے سوا اور کوئی سروکار نہیں رہا کہ اس کی سورۃ یاسین کے ذریعے موت کو آسان کر لے۔"

علامہ کے یہ اشعار بھی مَیں بارہا اپنی تقریر و تحریر میں پیش کر چکا ہوں جن میں انہوں نے بڑی دل سوزی کے ساتھ ہماری ذلت و خواری، ہمارے انتشار، ہماری آپس کی چپقلش اور تنازعات کی تشخیص بھی کی ہے اور علاج بھی تجویز کیا ہے ؎

خوار از مہجوریٔ قرآں شدی شکوہ سنج گردش دوراں شدی
اے چو شبنم بر زمین افتندۂ در بغل داری کتابِ زندۂ

حضرت شیخ الہندؒ نے اسارتِ مالٹا سے رہائی کے بعد پوری دنیا کے مسلمانوں کی دینی و دنیوی تباہی و بربادی کا جہاں ایک سبب "قرآن کو چھوڑ دینا" قرار دیا تھا وہاں دوسرا سبب "آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی" بھی بیان کیا تھا۔ عوامی درسِ قرآن کے حلقے قائم کرنے کے عزم کے ساتھ ساتھ اس ارادہ کا بھی اظہار کیا تھا کہ "مسلمانوں کے باہمی جنگ و جدال کو ختم کرنے کے کام میں بھی وہ اپنی باقی زندگی صرف کریں گے۔ مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ جو اس روایت کے راوی ہیں انہوں نے اس پر اس طرح تبصرہ فرمایا تھا کہ "حضرتؒ نے ہمارے زوال و انحطاط کے جو دو سبب بیان کیے تھے، غور کیا جائے تو یہ دونوں ایک ہی ہیں۔ ہمارے اختلافات اور باہمی جنگ و جدال کا سبب بھی قرآن کو ترک کر دینا ہی ہے۔" ان دو اکابر کا اس پر کامل اتفاق نظر آتا ہے کہ مسلمانوں کی اصلاح اور ان کے باہمی اختلاف کو ختم یا کم از کم ان کی شدت کو کم کرنے اور ان میں اعتدال پیدا کرنے کا واحد ذریعہ اعتصام بالقرآن ہے۔

علامہ اقبال نے اسے جس پرشکوہ انداز میں ادا کیا ہے، وہ انہی کا حصہ ہے فرماتے ہیں ؎

از یک آئینی مسلماں زندہ است پیکرِ ملت ز قرآں زندہ است
ما ہمہ خاک و دلِ آگاہ اوست اعتصامش کن کہ حبل اللہ اوست

یعنی وحدتِ آئین ہی مسلمان کی زندگی کا اصل راز ہے اور ملت کے جسدِ ظاہری میں روحِ باطنی کی حیثیت صرف قرآن کو حاصل ہے۔ ہم تو سرتاپا خاک ہی خاک ہیں۔ ہمارا یہ وجود مٹی ہے! ہاں اس میں دل ہے، جس کی دھڑکن اس کو زندہ رکھے ہوئے ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہمارا

قلب زندہ اور ہماری روحِ تابندہ تو اصل میں قرآن ہی ہے۔ اس کو مضبوطی کے ساتھ تھامو کہ یہی حبل اللہ ہے۔ یہی اللہ کی مضبوط رسّی ہے۔ اور ؎

چوں گہر در رشتۂ او سفتہ شو
ورنہ مانند غبار آشفتہ شو

اے ملّتِ اسلامی! اب بھی وقت ہے کہ تو اپنے آپ کو تسبیح کے موتیوں کی طرح قرآن کے رشتے میں بیندھ لے اور پرولے ورنہ پھر اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں کہ خاک اور دھُول کی مانند پریشان ومنتشر اور ذلیل وخوار رہ۔

میرا تأثر یہ ہے اور میں اسے تقریر میں بھی اور تحریر میں بھی برملا ظاہر کرتا رہا ہوں کہ ماضی قریب میں قرآن کی عظمت اور مرتبہ ومقام کا انکشاف جس شدت کے ساتھ علاّمہ اقبال پر ہوا، شاید ہی کسی اور پر ہوا ہو۔ علاّمہ مرحوم نے اپنی شاعری بالخصوص فارسی شاعری میں نہایت دل گداز، مؤثر اور تیر کی طرح دل میں پیوست ہو جانے والے مختلف اسالیب سے ملّتِ اسلامیہ کو جھنجوڑا ہے اور اسے دعوت دی ہے کہ دین و دنیا کی فوز و فلاح چاہتے ہو تو قرآن کو تھامو۔ یہی تمہارے اتحاد اور تمہارے عروج کا واحد ذریعہ ہے۔ ان کا یہ شعر آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہے ؎

گر تو می خواہی مسلمان زیستن!
نیست ممکن جز بہ قرآن زیستن!

"تو اگر مسلمان ہو کر جینے کا خواہش مند ہے، تمنّا اور آرزو رکھتا ہے تو اچھی طرح جان لے کہ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ اپنی حیات کی بنیاد قرآن پر قائم کرے۔"

حاصلِ کلام یہ ہے کہ ہمارے سامنے پانچ محاذ ہیں جن کے خلاف منظّم ہو کر جہاد بالقرآن کے لیے کمر کسنے کی ضرورت ہے۔ آپ میں سے اکثر لوگ جانتے ہیں کہ اسی جہاد کے لیے میں نے اپنا 'PROFESSION' تج دیا۔ میں اپنی زندگی کے بہترین دن اسی کام میں لگا چکا ہوں اب تو بڑھاپے میں قدم رکھ چکا ہوں۔ ؏ "شادم بر عمر خویش کہ کارے کردم"۔ الحمدللہ میری زندگی کے جو بہترین ایّام تھے وہ اس جہاد بالقرآن میں بسر ہوئے ہیں۔ میرے شب و روز اور میری صلاحیتیں اور توانائیاں دروسِ قرآن، تقاریر، خطباتِ جمعہ، انجمن خدّام القرآن اور تنظیم اسلامی کے

قیامِ قرآن کانفرنسوں اور محاضراتِ قرآنی کے انعقاد۔ قرآنی تربیت گاہوں کے انصرام، قرآنی سلسلۂ اشاعت کے انتظام، قرآن کے پیغام پر مشتمل مطبوعات کی اشاعت اور ملک کے مختلف شہروں کے دعوتی دوروں میں لگی ہیں۔

اور الحمدللہ قرآن کا پیغام لے کر میں دوسرے ممالک میں بھی گیا ہوں۔ چراغ روشن کیے ہیں۔ لوگوں کو آمادہ کیا ہے کہ کمر کسیں اور اس جہاد بالقرآن کے لیے میدان میں آئیں۔ ظاہر بات ہے کہ کام کے نتائج ظاہر ہونے میں وقت لگتا ہے۔ آپ کے اسی شہر لاہور میں، میں نے یہ کام چھ سال تن تنہا کیا، کوئی ادارہ نہیں، کوئی تنظیم نہیں، کچھ نہیں۔ مطب بھی کر رہا تھا اور یہ کام بھی کر رہا تھا۔ وہ جو حسرت موہانی نے کہا تھا ع ہے مشقِ سخن جاری اور چکی کی مشقت بھی، تو یہ دونوں چیزیں میرے لیے بھی جاری تھیں پھر ۱۹۷۲ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن قائم ہوئی اور بقول اقبالؒ

گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں یہاں اب مرے رازداں اور بھی ہیں

بہرحال میرا اور انجمن کا کام اسی جہاد بالقرآن کے گرد گھومتا رہا ہے۔ آج میں نے اس پورے کام کو پانچ محاذوں کی شکل میں مرتب کر کے آپ حضرات کے سامنے رکھ دیا ہے ورنہ یہ باتیں تو میں نے بارہا کہی ہیں۔ میں ان کو مختلف موضوعات وعنوانات کے تحت اور مختلف پیراؤں میں بیان کرتا رہا ہوں۔

آج مجھے آپ حضرات سے یہ کہنا ہے کہ رمضان المبارک کے جمعہ کی اس مبارک ساعت[۱] میں کچھ غور کیجیے، کچھ سوچیے، کچھ اپنے گریبانوں میں جھانکیے۔ میں عرض کروں گا کہ ہمارا پہلا قدم یہ ہونا چاہیے کہ ہم میں سے ہر شخص یہ معین (ASSESS) کرے کہ میں قرآن کریم کے اعتبار سے کس مقام پر کھڑا ہوں! میں قرآن پڑھتا ہوں! میں قرآن پر غور و تدبر کرتا ہوں! قرآن سے مجھے کتنا شغف اور تعلق ہے! پھر یہ کہ قرآن کا جو حکم سامنے آجائے کیا بے چوں وچرا اُسے مان لیتا ہوں!! کیا قرآن کے پیغام کو آگے پہنچانے کا کوئی ارادہ، کوئی عزم میرے اندر ہے! اس ضمن میں من تن دھن سے کوئی خدمت میں نے آج تک کی ہے! یہ خود احتسابی ضروری ہے

---

[۱] واضح رہے کہ یہ تقریر رمضان المبارک ۱۴۰۱ھ کے ایک مبارک جمعے کے موقع پر کی گئی تھی (مرتب)

انسان پہلے خود اپنا جائزہ لے۔ پھر فیصلہ کرے کہ بحیثیت مسلمان اس کو قرآن مجید کے جو حقوق ادا کرنے ہیں، اس کام کے لیے اس کے دل میں کتنی لگن، تڑپ، ولولہ اور حوصلہ ہے! اگر نہیں ہے تو شعوری طور پر اس کے لیے کوشاں ہو۔ یہ بھی نہ کر سکے تو پھر اپنے ایمان کی خیر منائے۔ میں نے ۱۹۶۸ء میں "مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق" کے موضوع پر تقریر کی تھی۔ اس میں قرآن مجید کے پانچ حقوق گنوائے تھے، پہلا یہ کہ اسے مانا جائے۔ دوسرا یہ کہ اُسے پڑھا جائے۔ تیسرا یہ کہ اُسے سمجھا جائے۔ چوتھا یہ کہ اس پر عمل کیا جائے اور پانچواں یہ کہ اُسے دوسروں تک پہنچایا جائے۔ یہ تقریر مطبوعہ شکل میں موجود ہے۔ ان حقوق کے حوالہ سے اپنا محاسبہ خود کیجئے کہ کیا ہم اُن کو ادا کر رہے ہیں! نہیں کر رہے تو آج ہی یہ عزم کر کے اُٹھیے کہ ہم ان شاء اللہ ان حقوق کو ادا کریں گے

یہ بھی حسن اتفاق ہے کہ میں نے قرآن مجید کے پانچ حقوق گنوائے تھے اور آج میں نے پانچ ہی محاذ آپ کے سامنے رکھ دیئے ہیں جو ہماری اپنی ملت کی اصلاح اور اس کی دینی و ملی زندگی کو سنوارنے کے لیے جہاد بالقرآن کے متقاضی ہیں۔ یہ تو ہماری جدوجہد کا پہلا مرحلہ ہے۔ ہمیں تو اس قرآن کی شمشیر بے زنہار، تیغ براں کو ہاتھ میں لے کر پورے کرۂ ارضی پر کفر، شرک، الحاد، دہریت، اباحیت، شیطنت اور ان کے ذریعے پیدا ہونے والے تمام امراض کا قلع قمع کرنا ہے۔ لیکن جیسا کہ میں نے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ

کے مصداق اس کام کو اپنی ذات سے شروع کیجئے۔ پھر کمر کسیے کہ جہاد بالقرآن کے ذریعے پاکستان کے مسلم معاشرے کی اصلاح کے لیے اپنی بہترین توانائیاں، اپنی بہترین صلاحیتیں، اپنے بہترین اوقات وقف کریں گے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ توفیق اور ہمت دے تو پوری زندگی اسی کے لیے وقف و مختص رہے گی بمصداقِ آیتِ قرآنیہ:

إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو نیز تمام مسلمانوں کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

أَقُولُ قَوْلِي هَٰذَا وَأَسْتَغْفِرُ اللَّهَ لِي وَلَكُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ

آمین یارب العالمین

مجاہدِ کبیر

مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا عبدالکریم پاریکھ

الحمدلله الذی جعل لکل شیئی سببا وانزل علی عبده کتابا عجبا فیه من کل شیئی حکمة و نبا والصلوة والسلام علی سیدنا محمد اشرف الخلیقته عجما و عربا وازکاهم حسبا ونسبا وعلی آله واصحابه واز واجه واهل بیته اجمعین و سلم تسلیما ودائما ابدا کثیرا والحمدلله رب العلمین۔ ط

علمی اور عملی دونوں اعتبار سے اپنے چھوٹے ہونے کا سخت احساس ہوتا ہے۔ جب ہمارے سلف صالحین (اللہ ان کی قبور کو نور سے بھر دے اور ان کے درجات بلند فرمائے) کے کام، اسلوب اور کوششوں کا جائزہ خود اپنی اصلاح کی غرض سے لینے کی نوبت اور ضرورت پیش آتی ہے ـــــ۔ بلاشبہ آج سائنس ٹیکنالوجی اور دیگر مادی ترقیوں نے بے شمار تکالیف کو راحت میں تبدیل کر دیا ہے۔ لیکن پھر بھی جب کبھی ایمان کے ان عظیم ستونوں کی طرف نظر اٹھتی ہے تو اپنی کم مائیگی بے بسی اور اس بات کا احساس اور اعتراف شدت سے ہونے لگتا ہے کہ "ہم سے کچھ نہ ہوسکا!"۔

رُشد وہدایت کا ایک بلند مینار...... یہ احقر کیا اور اس کی بساط کیا ایک جاں باز مجاہد، معمار ملت حضرت مولانا محمد رحمت اللہ صاحب کیرانوی رحمتہ اللہ علیہ "بانی مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ" کی ذات باکمال پر قلم کو جنبش دے سکے۔ مگر محترم بزرگوار حضرت مولانا محمد مسعود شمیم صاحب (ناظم مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ) کے حکم سے فرار کی جرأت نہ کر سکا، جب کہ انہوں نے حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی وفات کے سو سال پورے ہونے پر یہ حکم نامہ جاری فرمایا کہ "آپ اس تاریخی موقع پر قلم اٹھائیں"۔

دستاویزی ثبوت...... مجاہد کبیر حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ اللہ کے ان مخلص، منتخب اور مجاہد بندوں میں سے ہیں جن کی انتھک کوششوں سے ہندوستان میں اب بھی دین حنیف کے ستون قائم ہیں اور ملت اسلامیہ الحمدللہ زندہ ہے۔

جوں ہی انگریزی سلطنت کے شکنجے نے اس ملک کو اسیر کیا سب سے زیادہ بے چینی اور اضطراب حلقہ علماء میں پھیلا' اور اللہ کے عالم بندے قرطاس و قلم، تعلیم و تعلم اور تدریس و تربیت کے دائرے سے نکلنے پر مجبور ہوئے اور ہتھیار اٹھا کر ملک کے عوام کو انگریزی اقتدار کے پنجے سے نکالنے کی مہم میں لگ گئے۔ حالات کا تجزیہ کرنے والا ہر عاقل شخص یہ ماننے پر مجبور ہے کہ انگریزوں نے ملک کی باگ ڈور مسلمانوں سے چھینی تھی اور چونکہ نظام تعلیم بھی مسلمانوں کے ہاتھ میں تھا جو اقتدار کے ساتھ ساتھ انگریزوں کے قبضے میں چلا گیا۔ اس طرح اہل ایمان کو اب یہ خطرہ لاحق ہو گیا کہ ایک تازہ دم عیسائی قوم جو ایک طرف ہتھیار بند' ہوشیار اور فن حرب کے آلات سے لیس تھی تو دوسری جانب ان کے ساتھ مسیحی پادریوں کی ایک بھیڑ تھی جو بگڑے ہوئے دین مسیح کے وارث ہونے کے ناطے اس سنہری موقع سے فائدہ اٹھانے کے لئے حدود ملک میں پھیل گئی۔ اور عیسائیت کی تبلیغ میں سرگرم ہو گئی۔ اللہ نے علماء حق کو کھڑا کیا اور یہ علماء ربانی ہی تھے جنھوں نے مسیحی پادریوں کا منہ پھیر دیا۔ اور اس طرح انگریزی اقتدار کی بنیاد ہلا دی' جس کے سبب آگے آنے والے انقلابی دستوں کا راستہ ہموار ہوا اور اس طرح ان کو استخلاص وطن کی تحریک میں علماء حق سے زیادہ قربانیاں دینے کی ضرورت و نوبت نہیں آئی اور بہت تھوڑی مدت اور محنت کے بعد یہ ملک انگریزی اقتدار سے آزاد ہو گیا۔ لیکن علماء حق کی قربانیاں' ان کی تدابیر خلوص اور ترکیب و تدبیر کے ساتھ نصرت الٰہی شامل حال نہ ہوتی تو ۱۹۴۷ء تو کیا ۲۰۴۷ء تک بھی ہندوستان آزاد نہیں ہو سکتا تھا۔

خون سے رنگین داستان...... یہ حق ہے کہ آزادیٔ وطن کی جدوجہد میں علماء ربانی کے پورے پورے قافلے شہید ہوئے۔ ہزاروں ہزار پھانسی پر چڑھا دیئے گئے اور بظاہر اتنی قربانیوں کا فی الفور کوئی نقد نتیجہ سامنے نہیں آیا۔ لیکن قدرت اور تاریخ نے ان قربانیوں کو نوٹ کر رکھا تھا کہ وقت آنے پر آئندہ نسلوں کو ان قربانیوں کا کامیاب نتیجہ دنیا میں مل جائے گا۔ جبکہ اہل حق علماء کرام اپنا اجر پانے اپنے رب کے دربار حاضر کر دیئے گئے۔

مجاہد کبیر...... اسی لشکر کے ایک مجاہد کبیر' عالم ربانی اور مجاہد اسلام کا نام نامی حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی رحمتہ اللہ علیہ ہے۔ ان کے حالات کا تذکرہ کرنے سے پہلے

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان آیات قرآنی سے ابتدا کی جائے۔

شہادت قرآن مجید

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَ مَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ...... الخ (سورۃ الاحزاب آیت ۲۳۔ ۲۴)

ترجمانی...... "ایمان والوں میں بہت سے ایسے دلیر مرد بھی ہیں۔ جو اللہ کو دیئے ہوئے اپنے قول میں سچے اترے اور ان میں کچھ تو ایسے ہیں جو راہ خدا میں جان دینے کی نذر و منت پوری کر چکے اور ابھی کچھ انتظار میں ہیں کہ جیسے ہی موقع ملے اپنی جان کی بازی لگا دیں گے اور جان نثاری کے حوصلے اور قول میں ذرا بھی تبدیلی نہیں آنے دی۔ اب جو اپنے قول میں سچے ثابت ہوئے تو ان کے صدق کا بدلہ اللہ انہیں ضرور عطا فرمائے گا"۔

قوی استدلال...... بلاشبہ یہ آیت دور اول کے ان مجاہدین صادقین کے حق میں نازل ہوئی تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانباز ساتھی بن کر مورچوں پر ڈٹے رہے تو اپنا اجر پا چکے اور شہید ہوئے تو جنت میں جا پہنچے لیکن قیامت تک کے لئے اٹھنے والے مجاہدینِ راہِ حق کے لئے بھی اس آیت کریمہ میں بشارت موجود ہے۔

کوئی حرج نہیں کہ مجاہد کبیر حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی (رحمتہ اللہ علیہ) کو بھی ہم اسی قافلے کے ہم مقصد لوگوں میں شمار کر کے اپنے لئے نمونہ بنائیں۔

حضرت اقدس مولانا موصوفؒ کی حیاتِ مبارکہ بھی ان ہی اوصاف سے بھری پڑی ہے جو ان آیات بینات کے مصداق اولوالعزم اہل ایمان کے بتائے گئے ہیں۔

لافانی حقیقت...... حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی صاحبؒ کے زمانے کو دیکھنے کے لئے انقلاب ۱۸۵۷ء والے پر فتن دریچے میں جھانکنا ہوگا۔ حضرت کیرانوی کا جہاد بالسیف والقلم، عیسائی پادریوں کے ساتھ انکے تاریخی مناظرے۔ اس ضمن میں حضرت کی نوادر زمانہ اور نایاب و بے نظیر تصانیف کا وہ معرکۃ الآراء ذخیرہ کہ جو راہ روان حق کے لئے اسلام دشمن عناصر خصوصاً عیسائی حضرات کے ہر وار سے بچنے کے لئے ایک مضبوط ڈھال کا کام دے گا پھر اس مرد مجاہد کا پاپیادہ کیرانہ سے دہلی اور دہلی سے دشوار گزار سفر جبکہ برٹش حکومت نے ان کو باغی قرار دے کر گرفتاری کا وارنٹ جاری کر رکھا تھا۔ پھر اللہ کے راستے

میں ہجرت والی سنت رسولؐ کی سعادت سے مشرف ہو کر حرم مقدس میں حضرت کیرانوی کی منجانب اللہ قبولیت اور نصرت و پذیرائی نیز مدرسہ صولتیہ کی تاسیس وقیام۔ پھر ایک طویل مدت تک مدرسہ ہذا کی خدمات' یہ تمام واقعات ان کی بھرپور مجاہدانہ زندگی کی عکاسی کرتے ہیں۔

شاطرِ زمانہ پادری فنڈر...... ہندوستان میں اسلام پر حملۂ عیسائیت کے سلسلے میں قلمی اور عملی جہاد کا ایک مستقل محاذ قائم کرنا۔ نیز پادری فنڈر جیسے شاطرِ زمانہ عیسائی مبلغ کے ساتھ تاریخی مناظرے کر کے دشمن کو اسی کے ہتھیار سے مجروح و مغلوب کر کے فرار پر مجبور کر دینا اور اس عظیم کام کو انجام دینے کے لئے اس سبجیکٹ کے ماہر ایسے کارکنوں کی ٹیم کو اٹھا کھڑا کر دینا یہ حضرت کیرانوی کا کارنامۂ تاریخی ہے۔ جبکہ عیسائی پادری مسلم علماء حضرات کی خاموشی سے فائدہ اٹھا کر اسلام کے خلاف تقاریر کر کے مسلمانوں میں خوف وہراس کا ماحول پیدا کر چکے تھے۔ پادریوں کے اس جارحانہ مشن کو حضرت کیرانوی کی لطیف اور مضبوط تدبیر نے یکسر بے کار اور غیر موثر بنا کر رکھ دیا۔

گھریلو حالات...... مجاہد کبیر مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے والد ماجد کا اسم گرامی مولوی خلیل اللہ تھا۔ اجداد کا اصل وطن پانی پت تھا۔ آپ ۱۲۳۳ھ' ۱۸۱۸ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کیرانہ میں حاصل کر کے علوم اسلامیہ کی تحصیل کے لئے دہلی تشریف لے گئے۔ ۱۲۵۰ہجری میں آپ کے والد مولوی خلیل اللہ صاحب دہلی میں مہاراجہ ہندو راؤ بہادر کے میر منشی مقرر ہوئے۔ مولانا رحمت اللہ کیرانوی دن میں تعلیم حاصل کرتے اور رات میں والد محترم کی خدمت میں رہتے اور راجہ کو اکبر نامہ بھی سناتے۔ پھر کچھ عرصہ بعد مولانا اپنی علمی پیاس بجھانے لکھنؤ تشریف لے گئے۔ ۱۲۵۶ھ میں موصوف کی شادی ان کی خالہ کی صاحب زادی سے ہوئی۔ اسی دوران مہاراجہ ہندو راؤ نے آپ کو اپنا مشیر مقرر کیا اور آپ کے والد کو جائیداد کی نگرانی اور دیکھ بھال پر مقرر کیا۔

۱۲۷۰ھ میں مولانا موصوف کا ایک سالہ بیٹا فوت ہوا اور کچھ ہی عرصے بعد آپ کی اہلیہ محترمہ عارضۂ دق میں مبتلا ہو کر چل بسیں پھر آپ کے والد صاحب بھی جلد ہی اللہ کو پیارے ہو گئے' چنانچہ آپ نے اپنی جگہ پر اپنے چھوٹے بھائی مولوی محمد جلیل صاحب کو ملازم رکھوا کر ملازمت سے علیحدگی اختیار فرمائی اور وطن کیرانہ پہنچ کر درس و تدریس کے ساتھ تردید عیسائیت کی خدمت میں مصروف ہو گئے۔

تلوار اور قلم...... حضرت مولانا کیرانوی رحمتہ اللہ علیہ ان جانباز مجاہدین میں سے ہیں۔ جنہوں نے زندگی کا ہر لمحہ خدمت حق کے لئے وقف کر دیا تھا۔ ایک طرف تو حق کو پھیلانے اور پہنچانے کی مؤثر خدمات انجام دیں' تو دوسری جانب اپنی زبان اور قلم سے "دین اسلام" کا دفاع کیا۔ لہٰذا حضرت کا شمار ان چند بزرگان دین میں ہوتا ہے جنہوں نے بیک وقت قلم اور تلوار دونوں میدانوں میں اپنے جوہر دکھلائے ہوں۔ ایک محاذ پر تو عیسائیت کے تابڑ توڑ حملوں کا دفاع کیا اور دوسری جانب ہندوستان کو فرنگیوں سے آزاد کرانے کی خاطر تلوار لے کر میدان کارزار میں کود پڑے۔ اور الحمدللہ دونوں میدانوں میں جہد و عمل کی بے نظیر مثالیں اور حقائق چھوڑ گئے' جو آنے والی ہر نسل کے لئے یقیناً INSPIRATION کا ذریعہ ثابت ہو گا۔

فنڈر کا فریب...... عیسائی مشنری پادری فنڈر کی تصنیف "میزان الحق" نے وہ شبہات و تلبیسات پیدا کئے کہ مسلمانوں میں کرب و اضطراب پھیل گیا' جس میں خوف کا عنصر بھی شامل تھا۔

حضرت کیرانوی نے فوراً بھانپ لیا کہ اسلام پر عیسائی یلغار کا اس وقت تک مؤثر مقابلہ نہ ہو سکے گا جب تک پادری فنڈر سے عام مجمع میں فیصلہ کن مناظرہ کر کے عیسائی مذہب کی کمر نہ توڑ دی جائے تاکہ عوام کے دل و دماغ پر خوف و ہراس کے جو بادل چھا گئے ہیں وہ یکسر دور ہو جائیں اور عوام جان لیں کہ برہان اور فرقان کے مقابلے میں عیسائیت کس قدر کمزور ہے۔

شیخ رفاعی خولیؒ کی گواہی...... مؤرخین نے مناظرے کی روداد لفظ بہ لفظ نقل کر دی ہے۔ اللہ نے اپنی مدد خاص سے مولانا اور ان کے معاونین کو غلبہ عطا فرمایا اور تین نشستوں ہی میں عیسائی پادری فنڈر نے روپوشی میں عافیت سمجھی۔

اس مناظرے کی عالمگیر شہرت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ مکہ مکرمہ کے شیخ رفاعی خولی تحریر فرماتے ہیں۔ "میں نے اس مناظرے کا حال ان بے شمار لوگوں سے سنا جو اس مناظرے کے بعد حج کے لئے آئے۔ یہاں تک کہ یہ بات تواتر معنوی کی حد تک پہنچ گئی کہ پادری فنڈر اس میں مغلوب ہوا تھا۔" [۹]

یہاں اس بات کا ذکر بے جا نہ ہو گا کہ مناظرے کی تفصیل اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ حضرت کیرانوی کو اللہ تعالیٰ نے علوم اسلامیہ کے علاوہ دیگر سماوی کتب و مذاہب پر بھی خاصا

---

[۹] البحث شریف علی ہامش "اظہار الحق" جلد اول صفحہ ۵ مطبوعہ استنبول۔

عبور عطافرمایاتھا۔ یہ مناظرہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے تین برس قبل ۱۰ اراپریل ۱۸۵۴ء کو آگرہ میں منعقد ہواتھا۔

فرنگی اقتدار سے ٹکر ..... بہت ممکن ہے کہ علماء کی جماعت کو فرنگی اقتدار سے ٹکر لینے میں ان آیات شریفہ میں بہت حوصلے، ہمت اور اجر کا سامان نظر آیا ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ لَا یُصِیْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا یَطَئُوْنَ مَوْطِئًا یَّغِیْظُ الْکُفَّارَ وَلَا یَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّیْلًا اِلَّا کُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ وَلَا یُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِیْرَةً وَّلَا کَبِیْرَةً وَّلَا یَقْطَعُوْنَ وَادِیًا اِلَّا کُتِبَ لَهُمْ لِیَجْزِیَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝

(سورۃ التوبۃ : آیت ۱۲۰-۱۲۱)

ترجمہ..... "سوچنے کی بات یہ ہے کہ ان کو اللہ کی راہ میں جو بھی مصیبت جھیلنی پڑی ہو" پیاس کی، تھکان کی اور بھوک کی۔ اور ان کے قدم اٹھانے سے دشمن جب غصے میں آکر آگ بگولا ہوئے ہوں۔ اور دشمن پر ٹوٹ کر انہوں نے جو کچھ چھینا جھپٹی کی ہو اور ان کی پٹائی کر دی ہو۔ ان سب کاموں پر ان کے نامۂ عمل میں نیکی لکھ لی گئی۔ بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں ہونے دیتا اور اس مہم میں جو کچھ بھی چھوٹا بڑا خرچ انہیں کرنا پڑا، اور جس میدان اور گھاٹی میں انہیں قدم رکھنے پڑے۔ ان سب کاموں کو لکھ لیا گیا۔ تاکہ ان کے ہر اچھے عمل کا بدلہ انہیں دے دیا جائے۔"

تاریخی حقائق ..... ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی دراصل انگریزوں کے ذریعے اس ملک کے عوام پر سو سالہ راج کے درمیان کئے جانے والے ظلم و تشدد کے خلاف ردعمل کے طور پر نفرت اور بے زاری کا لاوا تھا۔ جو کسی باضابطہ اسکیم کا پابند نہ تھا مگر اچانک پھوٹ پڑا۔ انگریزی فوج میں ہندوستانیوں کی اکثریت تھی جو یکسر باغی ہو گئی۔ جس کی وجہ سے ملک کے عوام کو بھی غلامی سے نجات کی کرن نظر آئی اور نتیجتاً ملک کے مختلف حصوں میں مختلف محاذ قائم ہوئے اور ہر علاقے میں اس جہاد کا ایک امیر مقرر ہوا۔ چنانچہ تھانہ اور کیرانہ کا بھی ایک محاذ بنا اور مجاہدین کی جماعت مدافعت اور مقابلہ کرتی رہی۔

تابناک ستارے...... تھانہ بھون میں حضرت مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، حافظ ضامنؒ شہید، حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمدؒ گنگوہی وغیرہم حضرات نے شاملی میں انگریزی فوج پر حملہ کر کے تحصیل شاملی کو فتح کر لیا۔

دوسری طرف کیرانہ اور اس کے گردونواح میں حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب امیر اور چودھری عظیم الدین سپہ سالار تھے اس زمانے میں عصر کی نماز کے بعد مجاہدین کی تنظیم و تربیت کے لئے کیرانہ کی جامع مسجد کی سیڑھیوں پر نقارہ بجا کرتا اور اعلان ہوتا۔ "

"ملک خدا کا اور حکم مولوی رحمت اللہ کا۔"

مشتعل حکمراں کے مقابل استقامت کی چٹان...... کیرانہ کے محاذ پر بظاہر شکست کا امکان نہ تھا مگر بعض "ابن الوقت" ابنائے وطن کی زمانہ سازی، نیز مخبروں کی سازش نے حالات کا رخ بدل دیا۔ کیرانہ میں انگریز فوج اور توپ خانہ داخل ہوا محلہ دربار کے دروازے پر توپ خانہ نصب کیا گیا اور محلہ دربار کا محاصرہ کرنے کے بعد گھر گھر تلاشی لی گئی، اس لئے کہ کسی مخبر نے اطلاع دی تھی کہ مولانا کیرانوی دربار میں روپوش ہیں۔ کیرانہ کے قریب پنجیٹھ مسلمان گوجروں کا گاؤں ہے۔ حضرت مولانا اپنی باقی ماندہ جماعت کے ہمراہ وہاں پہنچے۔ خود گاؤں کے لوگ مجاہدین کی جماعت میں شامل تھے۔ اسی دوران گورا فوج کا ایک گھڑ سوار دستہ پنجیٹھ کے رخ پر پڑا۔ کیرانہ اور پاس پڑوس کے حالات کی اطلاع حضرت موصوف کو ملتی رہتی۔ چنانچہ گاؤں کے مکھیا کو جب گورا فوج کی آمد کی اطلاع ملی تو اس نے فوراً جماعت کو بکھیر دیا اور مولانا سے درخواست کی کہ آپ "کھرپا" لے کر گھاس کاٹنے کے لئے کھیت میں چلے جائیں۔

مولانا خود فرمایا کرتے کہ "انگریز فوج اسی کھیت کی پگڈنڈی سے گزر رہی تھی جہاں میں گھاس کاٹ رہا تھا اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے اڑ اڑ کر کنکریاں میرے جسم پر لگ رہی تھیں اور میں ان کو اپنے پاس سے گزرتا ہوا دیکھ رہا تھا۔" فوج نے گاؤں کا محاصرہ کیا۔ تلاشی لی مگر مولانا کا پتہ نہ چلنا تھا نہ چلا۔ آپ کے خلاف فوجداری مقدمہ چلا، وارنٹ جاری ہوا اور مفرور باغی قرار دے کر ہزار روپے انعام کا اعلان ہوا۔ حضرت مولانا کی جائیداد ضبط کر کے کوڑیوں کے داموں نیلام کرادی گئی۔

جسمانی ریاضت...... حضرت کیرانوی پیدل دہلی روانہ ہوئے۔ یہ وقت آپ کے لئے سخت آزمائش کا تھا۔ ایمانی عزم اور ہمت و استقلال کے ساتھ جے پور اور جودھ پور کے

ہیبت ناک جنگلوں کو پاپیادہ عبور کرتے ہوئے بندر گاہ سورت پہنچے۔ سال میں ایک جہاز ہوا کی موافقت کے زمانے میں سورت سے جدہ جایا کرتا تھا۔ اور ہجرت کرنے والا ترک وطن کے ساتھ ہی دنیاوی رشتوں اور تعلقات کو زندگی میں ہی منقطع کر دیتا۔ طویل اور دشوار گزار بری اور بحری سفر کی مصیبتوں کو خوشی خوشی جھیلتے ہوئے یہ مرد مجاہد اپنی جان پر کھیل کر اُس مقدس سرزمین پر وارد ہوا کہ جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں "مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا" کی بشارت دے رکھی ہے۔

منزل مقصود...... حضرت مولانا حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی مولانا کیرانوی سے پہلے ہی ہجرت فرما کر مکہ معظمہ پہنچ چکے تھے۔ صبح صادق کے قریب رحمت اللہ کیرانوی کی حرم شریف میں حاضری ہوئی اور حضرت مہاجر مکی کے ساتھ طواف قدوم اور سعی فرما کر مولانا مکی کے ڈیرے رباط داؤدیہ پر قیام کیا۔

حضرت کیرانوی رحمتہ اللہ علیہ کا علمی مقام...... شیخ العلماء سید احمد دحلانؒ جو شافعی المسلک تھے' مسجد حرام میں درس دیا کرتے تھے۔ شریف مکہ ان کا بڑا ادب واحترام کیا کرتا۔ ایک دفعہ کسی مجلس درس میں شیخ نے دوران تقریر حنفیہ کے دلائل کو کمزور بتلاتے ہوئے اپنے مسلک کو ترجیح دی۔ مجاہد اسلام رحمت اللہ کیرانوی نے ایک طالب علم کی حیثیت سے اس مسئلے پر تشفی چاہی۔ تھوڑی سی گفتگو میں شیخ العلماء تاڑ گئے کہ یہ شخص طالب علم نہیں ہے۔ چنانچہ شیخ العلماء کی دعوت پر حضرت اپنے رفیق مولانا مہاجر مکی کے ہمراہ دوسرے دن شیخ کے گھر مدعو کئے گئے۔

دورانِ گفتگو ہندوستان میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے ساتھ عیسائیوں کی سرگرمیوں کے قلعے مسمار کرنے میں اہل ایمان کی شاندار کامیابیوں کا ذکر آگیا۔ شیخ نے اس پر بے حد خوشی کا اظہار فرمایا۔ اور اسی مجلس میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی کو مسجد حرام میں باقاعدہ درس کی اجازت دے دی۔ کیرانوی شیخ سے بہت زیادہ متاثر تھے۔ چنانچہ اپنی تصنیف "اظہار الحق" کے مقدمے میں شیخ احمد دحلان کا تذکرہ بہت ہی محبت اور احترام کے ساتھ فرمایا ہے۔

تمغۂ سلطانی اور اظہار الحق کی تکمیل...... ادھر ہندوستان میں حضرت مولانا کیرانوی کے ہاتھوں ہزیمت اٹھانے کے بعد پادری فنڈر جرمنی' سوئٹزرلینڈ اور انگلستان ہوتا ہوا قسطنطنیہ پہنچا اور یہ چرچا مشہور کر دیا کہ ہندوستان میں عیسائیت کی فتح اور اسلام کی

شکست ہوچکی ہے۔ نیز ہندوستانی مسلمان عیسائیت قبول کر رہے ہیں۔ لہٰذا اس سلسلے میں قسطنطنیہ سے سلطان عبدالعزیز خاں مرحوم کا فرمان امیرِ مکہ شریف عبداللہ پاشا کے نام آیا کہ "حج کے لئے ہندوستان سے جو علماء اور باخبر حضرات آئیں اُن سے پادری فنڈر کے مناظرے اور ۱۸۵۷ء کی جدوجہد آزادی کے خاص حالات معلوم کر کے ارباب خلافت کو مطلع کیا جائے۔" امیر مکہ نے شیخ العلماء سید احمد دحلان سے اس کا تذکرہ کیا۔ موصوف نے فرمایا "جس عالم سے یہ مناظرہ ہوا ہے وہ خود مکہ مکرمہ میں موجود ہے"۔ بس یہی چیز حضرت کیرانوی کی سلطان کی طرف سے قسطنطنیہ طلبی کا موجب بنی۔ پادری فنڈر کو جونہی کیرانوی کی آمد کی اطلاع ملی وہ قسطنطنیہ سے فرار ہوگیا۔ چنانچہ حکومتِ عثمانیہ نے اس عظیم فتنے کو روکنے کے لئے عیسائی مشنریوں کو مقید کیا اور ان کی کتب پر پابندی کے علاوہ سخت احکامات جاری فرمائے۔

۱۸۶۴ء میں حضرت رحمت اللہ کیرانوی کی قسطنطنیہ میں شاہی مہمان کی حیثیت سے حاضری ہوئی۔ اکثر بعد نماز عشاء سلطان عبدالعزیز خاں حضرت کیرانوی کو شرف باریابی عطا فرماتے۔ علماء اور وزراء کی مجلس میں حضرت سے تفصیلی گفتگو ہوتی۔ سلطان مرحوم نے حضرت مولانا کی جلیل القدر دینی خدمات اور مجاہدانہ صفات کی قدر اور ہمت افزائی فرماتے ہوئے زریں خلعت کے ساتھ تمغۂ مجیدی دوم اور گراں قدر ماہانہ وظیفہ سے سرفراز فرمایا۔

سلطان کی خواہش پر حضرت نے "اظہار الحق" ۱۲۸۰ھ میں چھ ماہ کی مختصر مدت میں تصنیف فرما کر سلطان کی خدمت میں پیش فرمائی۔

قسطنطنیہ سے حجاز مقدس واپسی پر حضرت کیرانوی نے درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ یہاں کے مروجہ طریقۂ درس و تدریس میں بقدرِ ضرورت ترمیم و اصلاح فرمائی۔ پھر بھی اطمینان نہ ہوا تو یہ طے کیا کہ یہاں ایک ایسے دارالعلوم کا سنگ بنیاد رکھا جائے جو خانۂ کعبہ کی مرکزیت کے شایانِ شان ہو۔ دنیا کی مختلف زبانیں جاننے والے علماء اس مدرسے کے مدرس ہوں اور ایک ایسا نصابِ تعلیم ہو جو بیک وقت دینی اور دنیوی ضروریات کو پورا کرتا ہو۔ سب سے بڑھ کر یہ تقاضا غالب ہوا کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مٹی ہوئی دینی درسگاہ کا سرزمینِ حرم پر دوبارہ قیام ہو۔ چنانچہ مکہ معظمہ کے اس پہلے مدرسے کی پہلی تاریخی اور بنیادی اپیل کچھ اس طرح ہے۔

"حمد و نعت کے بعد عرض ہے کہ اکثر اہل توفیق ہندیوں کی ہمت سے حرمین شریفین زادھما اللہ شرفاً بعض بعض خیر کے کام مثلاً رباطیں اور سبیلیں تیار ہوگئی ہیں۔ پر اب

تک کوئی مدرسہ ان کی طرف سے یہاں نہیں ہے۔ اور کاموں سے بھی یہ کام بڑا خیر کا کام ہے۔"

مدرسۂ صولتیہ کی تاسیس..... رمضان المبارک ۱۲۹۰ھ کی اس اپیل پر جہاں اور لوگوں نے لبیک کہہ کر ماہانہ چندہ دینا شروع کیا ان کاذکر تو الگ ہے۔ مگر کلکتہ کی ایک اولوالعزم خاتون "صولت النساء بیگم صاحبہ" کے حصے میں اللہ تعالیٰ نے مدرسۂ صولتیہ کی تاسیس مقدر فرمادی۔ اس شریف بیوہ خاتون کے ہمراہ ان کی بیٹی اور داماد بھی عازم حج بن کر مکہ مکرمہ وارد ہوئے۔ موصوفہ کے داماد اکثر مسجد حرم میں حضرت مولانا کے حلقۂ درس میں شریک ہوتے۔ ہر نیک دل اور صاحب حیثیت مسلمان کی یہ دلی خواہش ہوتی کہ وہ حرمین شریفین میں مسلمانوں کی رفاہ عام کا کوئی نیک کام کر کے صدقہ جاریہ کا ذریعہ چھوڑ جائے۔ بس یہی جوش اور جذبہ اس نیک دل خاتون کے سینے میں موجزن تھا' جس کا اظہار جب ان کے داماد نے حضرت کیرانوی سے فرمایا تو آپ نے جواب دیا کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں رباطوں اور مسافر خانوں کی کمی نہیں ہے۔ سب سے زیادہ ضرورت ایک مدرسے کی ہے۔ مکہ مکرمہ میں کوئی مستقل مدرسہ نہیں ہے۔ مشیت ایزدی اور علم الٰہی میں یہ سعادت اور فخر اس بیوہ خاتون کا حصہ تھا۔ اس لئے مجاہد کبیر حضرت کیرانوی نے ان کے اس ایثار کی بہترین یادگار کی نشانی کے طور پر مرکز اسلام کی اس اولین دینی درس گاہ کا نام "مدرسہ" صولتیہ" رکھا۔ شعبان ۱۲۹۱ھ میں مدرسہ وجود میں آیا اور ابتدائی مشکلات اور رکاوٹیں جو ہر نیک کام میں کسی نہ کسی درجے میں مانع ہوتی ہیں' ان سے نمٹنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت کیرانوی کے خلوص اور استقلال کو قبول فرماتے ہوئے آئندہ کے لئے راستہ صاف فرمادیا۔

مجاہدِ کبیر کی زریں اصلاحات......مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران حضرت رحمت اللہ کیرانوی نےوہاں کی بہت سی سماجی اور معاشی اصلاحات میں حصہ لیا۔ مثلاً

(۱) دینی تعلیم کا ایک خاص نہج و نظم قائم فرمایا اور مکہ مکرمہ میں باضابطہ دینی تعلیم کی طرح ڈالی۔

(۲) جب عثمان نوری پاشا نے سلطان عبدالحمید کی اجازت سے صحن حرم میں اپنے شاہی کتب خانے کو حجاج کی سہولت کے پیش نظر منہدم کرایا تو حضرت مولانا نے اس کے ملبے سے مدرسۂ صولتیہ کے قریب ایک مسجد تعمیر کروائی جس کا تاریخی نام "خانۂ رحمت" ہے' جو آج تک وہاں موجود ہے۔

(۳) مدرسۂ صولتیہ کے طرز پر حجاز مقدس میں دیگر مدارس قائم کئے۔
(۴) حضرت کیرانوی رحمتہ اللہ علیہ کے زمانے میں مکہ مکرمہ میں ڈاک کی تقسیم کا نہ تو مستقل نظام تھا اور نہ ہی ڈاک خانہ تھا۔ مولانا نے اس سلسلے میں کوشش فرمائی۔ جس کو مولانا کے بعد مولانا محمد سعید صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے جاری رکھا اور سلطان عبدالحمید کو متوجہ فرما کر باب الوداع پر ڈاک خانہ تعمیر کروایا۔
(۵) "نہر زبیدہ" جو گردشِ ایام کی بدولت قابلِ مرمت ہو چکی تھی اور جس کی وجہ سے ساکنانِ حرم کو پانی کی دقت تھی۔ اس کی مرمت کا بیڑا اس جانباز مرد مجاہد کے ساتھ چند اہل خیر حضرات نے اٹھایا اور اس طرح حضرت مولانا اور ان کے رفقاء کی کوششوں سے نہر زبیدہ کا صدقۂ جاریہ دوبارہ جاری ہوا۔

جلیل القدر تصانیف...... حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمتہ اللہ علیہ کی تصانیف زیادہ تر ردعیسائیت کے موضوع پر ہیں۔ جیسے۔
(۱) ازالۃ الاوھام۔ اس کتاب کی تالیف چل رہی تھی کہ حضرت کیرانوی رحمتہ اللہ علیہ سخت بیمار ہوئے۔ یہاں یہ ذکر بے جا نہ ہو گا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کیرانوی رحمتہ اللہ علیہ کے خواب میں تشریف لا کر بشارت دی کہ اگر "ازالۃ الاوھام" مرض کی وجہ ہے تو وہی باعثِ شفاء ہو گی۔

(۲) ازالۃ الشکوک	(۳) اعجازِ عیسوی
(۴) اوضح الاحادیث	(۵) بروق لامعہ
(۶) معدل اعوجاج المیزان	(۷) تقلیب المطاعن
(۸) معیار التحقیق [1]	

بے چین روح...... مدرسۂ صولتیہ کے قیام کے بعد حضرت مولانا کے قسطنطنیہ کے دو مزید سفر سلطان عبدالحمید خاں کی دعوت اور خواہش پر ہوئے۔ تیسرا اور آخری سفر تو سلطان نے حضرت کی آنکھوں کے علاج اور آپریشن کی غرض سے کروایا۔ نیز اس بات کی خواہش ظاہر کی کہ آپ مستقلاً سلطان کی مصاحبت میں یہیں شاہی محل میں قیام فرمائیں۔ لیکن

---
[1] تصانیف کی فہرست فرنگیوں کا جال۔ از جناب امداد صابری صفحہ ۲۳۷ - ۲۳۸ نیز ایک "مجاہد معمار" صفحہ ۲۷ - ۲۸ سے ماخوذ ہے......

حضرت کیرانوی رحمتہ اللہ علیہ کے اس جواب نے سلطان کو لاجواب کر دیا کہ "اعزاء اور اقارب کو چھوڑ کر ترک وطن کر کے خدا کی پناہ میں اس کے دروازے پر آ کر پڑا ہوں۔ وہی لاج رکھنے والا ہے۔ آخری وقت میں امیر المومنین کے دروازے پر مروں تو قیامت کے دن اللہ کو کیا منہ دکھاؤں گا"۔

حجابات اٹھ گئے...... اللہ کی قدرت کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت کیرانوی رحمتہ اللہ علیہ کے اس قول کو قبول فرمالیا۔ چنانچہ اسلام کا یہ سچا سپہ سالار جید عالم دین اور مجاہد فی سبیل اللہ ۷۵ سال کی عمر میں ۲۲ر رمضان المبارک ۱۳۰۸ھ میں اللہ کو پیارا ہو گیا۔ اور جنت المعلی میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے جوار میں صدیقین و شہداء کے زمرہ میں مدفون ہوا۔

||

لَن يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَٰكِن يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنكُمْ
(الحج ـ آیت ۳۷)
اللہ تک تمہاری قربانیوں کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا مگر تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

قربانی ہماری معاشرتی رسم ہے یا دینی فریضہ!

عیدالاضحیٰ کے مبارک موقع پر قربانی کے ساتھ قربانی کی رُوح اور مقاصد کو سمجھنے کے لیے

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کی تالیف

عیدُالاضحیٰ اور فلسفۂ قربانی

کا مطالعہ ضرور کیجئے

• سفید کاغذ • رنگین سرورق • ۴۸ صفحات • قیمت صرف چار روپے

قریبی بکسٹال سے خریدیئے یا ہم سے منگوائیے!

مرکزی انجمن خدام القرآن، ۳۶۔K ماڈل ٹاؤن لاہور ۱۴

رفقاءِ تنظیم اسلامی کے لیے

مجوّزہ تربیتی و تنظیمی نصاب کا مختصر خاکہ

کچھ عرصہ سے تنظیم اسلامی کے رفقاء کے لئے کسی ایسے تربیتی نصاب کی ضرورت کا احساس شدّت سے محسوس ہو رہا تھا جس کے ذریعے رفقاء اوّلاً تنظیم اسلامی کے مقاصد سے روشناس ہوں اور طریق کار کے بارے میں انشراحِ صدر حاصل کریں اس کے بعد بتدریج ان مقاصد کے حصول کی طرف پیش قدمی کرتے چلے جائیں۔ زیرِ نظر نصاب اسی سلسلہ کی ایک کوشش ہے۔ اس کے تین مراحل ہیں:

۱۔ برائے رفیقِ مبتدی۔ تنظیم اسلامی کی رفاقت کا آغاز تنظیم اسلامی کے مقاصد کے تعارف اور ان کے حصول کی خاطر بیعتِ جہاد سے ہوتا ہے۔ رفیقِ مبتدی کی اوّلین ضرورت یہ ہے کہ وہ تنظیم اسلامی کے مشن کی تفصیلات کو پوری طرح سمجھے۔ نظم کی اہمیت اور جماعتی زندگی کے تقاضوں کا شعور حاصل کرے۔ رفقائے تنظیم سے ربط و ضبط رکھے۔ اپنے اوقات اور وسائل اسی مقصد میں لگانے کی امنگ سے سرشار ہو۔ عبادات میں ذوق و شوق اور اہتمام کی کیفیت نصیب ہو۔ وہ خود جس کو حق سمجھ چکا ہے اس پر پوری دلجمعی سے عمل پیرا ہو۔

۲۔ برائے رفیقِ منتظم (حصہ اوّل) ابتدائی مرحلہ کے بعد اب ایک رفیقِ منتظم کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان تمام متذکرہ بالا پہلوؤں کے اعتبار سے ایک بلند تر مقام پر ہو۔ دین کے فہم میں اسے مزید گہرائی حاصل ہو۔ نظم و ضبط کا خوگر ہو اور جماعتی ضروریات کے لئے اوقات و وسائل زیادہ لگائے۔ عبادات کا ذوق و شوق اور اہتمام ترقی کرے جس حق پر خود عمل کر رہا ہے اس کی دعوت و تبلیغ کرے۔ اس طرح اس کے گرد و پیش ایک کشمکش کی فضا قائم ہوگی جس میں صبر و استقامت سے وہ عملی تربیت حاصل کرے گا۔

۳۔ برائے رفیقِ منتظم (حصہ دوم)۔ اس مرحلہ میں پیش نظر یہ ہے کہ متذکرہ بالا تعلیمی و عملی مشاغل ایک رفیق کے معمولات کا حصہ اور زندگی کا جزوِ لاینفک بن جائیں۔ عبادات اور اتباعِ سنّت میں مزید اہتمام کے ساتھ غیر اسلامی اعمال و رسوم سے اعلانِ برأت کرے۔ اپنی زندگی سے تمام منکرات اور محرمات

کو خارج کرے اور اسی کی دعوت معاشرے میں شدّ و مد سے پیش کرے۔

تربیتی نصاب کے ایک مرحلہ سے گذرنے کے لئے ایک اوسط درجہ کے رفیق کو چھ ماہ لگ سکتے ہیں۔ صلاحیت واستعداد اور عزم وارادہ کے مطابق یہ عرصہ کم وبیش ہوسکتا ہے۔ اس نصاب کی بنیاد پر رفقاء کی درجہ بندی کی جائے گی اور اس سے بطریق احسن گذرنے پر اس شدہ رفقاء کو ذمہ داریاں تفویض کی جائیں گی۔ ان تربیتی مراحل کے دوران اور بعد میں بھی رفقاء کی پیش رفت، صلاحیتوں اور تفریغ اوقات کی بنیاد پر وقتاً فوقتاً ایسے پروگرام ترتیب دیے جاتے رہیں گے جن میں رفقاء کے علمی اور عملی ارتقاء کا یہ سلسلہ جاری رہے۔

تربیتی و تنظیمی نصاب برائے رفیق مبتدی

۱۔ نماز پنجگانہ کی باجماعت ادائیگی کا اہتمام۔

۲۔ قرآن مجید کی صحیح تلاوت کے لئے محنت۔ اگر ناظرہ نہیں پڑھا تو اس کا اہتمام۔

۳۔ تلاوت قرآن مجید ـــــ بلاناغہ ایک مقررہ نصاب کے مطابق مثلاً ربع پارہ یا کم وبیش۔

۴۔ اپنی وضع قطع اور دیگر معاملات میں سنت رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کا التزام۔ مثلاً داڑھی۔ لباس (پاجامہ ٹخنوں سے اوپر) وغیرہ۔

۵۔ مطالعہ لٹریچر:

(i) تنظیم اسلامی کے قیام کا مقصد اور دوسری دینی جماعتوں سے مابہ الامتیاز۔

(ii) امیر تنظیم اسلامی کا سوانحی خاکہ ـــــ خانگی و معاشی حالات۔

(iii) فرائض دینی کا جامع تصور۔

(iv) مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق۔

(v) نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے ہمارے تعلق کی بنیادیں۔

(vi) اشاعت خصوصی میثاق "بموقع سالانہ اجتماع ۸۸ء (خلاصہ روداد تنظیم اسلامی)

(vii) ماہنامہ میثاق

۶۔ مندرجہ ذیل کیسٹس کے ذریعے مضامین کی تفہیم

(i) حقیقت جہاد (کیسٹ نمبر ۱۴، ۱۱۵)

(ii) تقرّبِ الٰہی بذریعہ فرائض و نوافل ۔ (کیسٹ نمبر ۸۲، ۸۳)
(iii) اسلامی انقلاب کے مراحل ۔
(iv) اسلامی تحریک کے کارکنوں کے اوصاف ۔ (کیسٹ نمبر ۲۰۰)
۷ ۔ مندرجہ ذیل اجتماعات میں شرکت کی پابندی کرے ۔
(i) ہفتہ وار درسِ قرآن ۔
(ii) ہفتہ وار اجتماع اسرہ ۔
(iii) مرکز یا علاقائی مرکز میں ششماہی سہ روزہ اجتماع ۔
منفرد رفقاء کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ مرکز / علاقائی مرکز سے ہفتہ وار تحریری رابطہ رکھیں۔
یا ماہانہ ایک دفعہ ملاقات کے لئے تشریف لائیں ۔ اور ششماہی سہ روزہ اجتماع میں شریک ہوں
۸ ۔ تفریغ اوقات (ترغیب و تشویق)
مقامی یا علاقائی سطح پر ترتیب دیئے ہوئے دعوتی پروگراموں میں ماہانہ دو دن کے لئے
شرکت کی کوشش کرے ۔
۹ ۔ تعمیرِ سیرت و کردار اور تقرّبِ الٰہی کی شعوری کوشش کے لئے درج ذیل اہتمام کرے ۔
(i) باطنی بیماریوں مثلاً تکبر ۔ حسد ۔ تعصب ۔ غیبت ۔ بیجا غصّہ سے اجتناب کے لئے
وقتاً فوقتاً اپنا خصوصی جائزہ لیتا رہے ۔
(ii) اذکارِ مسنونہ مثلاً خصوصی اوقات میں درود شریف ، استغفار اور تیسرے کلمہ کا ورد ۔
(iii) ادعیہ ماثورہ کا اہتمام ۔ مثلاً مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے کی دعائیں ۔ کھانا
کھانے اور کھانے سے فارغ ہونے کی دعائیں ۔ سونے اور سو کر اٹھنے کی دعائیں ۔
بیت الخلاء جانے اور نکلنے کی دعائیں ۔ سفر پر روانگی کی دعا ــــــ یہ دعائیں معمولات
کا حصّہ بن جانی چاہئیں ۔
۱۰ ۔ ماہانہ اعانت کی ادائیگی کا اہتمام ۔

تربیتی تنظیمی نصاب برائے رفیق مبتدی کے ضمن میں بعض وضاحتیں

۱ ۔ تمام رفقائے تنظیم اسلامی کو اس نصاب سے باقاعدہ گزرنا چاہئیے ۔ ابتداً رفقاء کے مابین

کسی قسم کی درجہ بندی نہیں ہے۔

۲۔ ایک اوسط درجہ کے رفیق کے لئے اس نصاب سے گزرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ چھ ماہ کا اندازہ کیا گیا ہے۔ لیکن صلاحیت و استعداد اور عزم و ارادہ کے مطابق اس عرصہ میں کمی بیشی ہوسکتی ہے۔ پرانے رفقاء کے لئے یہ بالکل آسان اور پہلے سے معمولات کا حصّہ محسوس ہوگا۔ تاہم اس نصاب سے شعوری طور پر دوبارہ گزرنا اور تفصیلات کو ازسرِنو ذہن میں تازہ کرنا انتہائی مفید ہوگا۔ ان شاء اللہ العزیز وہ ایک ماہ کے دوران ہی اس کو کما حقہٗ عبور کرسکیں گے۔ جو رفقاء سنجیدگی سے اس پر عمل پیرا ہونے کی کوشش نہیں کریں گے وہ سالہا سال اسی نصاب میں گزاریں گے۔

۳۔ قرآن مجید کی صحیح تلاوت سے یہاں مراد یہ نہیں ہے کہ تجوید و قرأت کے تمام قواعد و ضوابط کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔ بلکہ فی الحال یہ موٹی موٹی غلطیوں (لحن جلی) سے پاک ہو یعنی زیر زبر پیش جزم تشدید کا خیال رکھنا۔ قرآن مجید کے الفاظ کو چھوٹا یا بڑا کرکے نہ پڑھا جائے بعض حروف کا مخرج اگر صحیح نہ ہو تو عبارت کا مفہوم بدل سکتا ہے۔ مثلاً ق اور ک۔ ت اور ط ــــ ان سے واقفیت حاصل کی جائے۔ اور صحیح پڑھا جائے۔

۴۔ مطالعہ لٹریچر کے ضمن میں یہ بات پیش نظر رہے کہ تنظیم اسلامی کے قیام کا مقصد اور دوسری دینی جماعتوں سے مابہ الامتیاز اور امیر محترم کے سوانحی خاکہ کے موضوعات پر معلوماتی کتابچے مرتب کئے جارہے ہیں۔ ان کا مطالعہ مؤخر کیا جاسکتا ہے۔ بقیہ مجوزہ کتابچے ہمارے لٹریچر کا مستقل حصّہ ہیں اور مہیا ہوسکتے ہیں۔ ان کا مطالعہ مشکل نہیں۔ ہر جگہ ایسے لوگ موجود ہیں جو سالہا سال سے ان موضوعات پر امیر محترم کے طویل خطابات سنتے رہے ہیں۔ مقامی طور پر ایسے گروپ بنائے جاسکتے ہیں جن میں پرانے باصلاحیت رفقاء اجتماعی مطالعہ کروائیں۔ علاوہ ازیں ان موضوعات پر سوالنامے بھی تیار کئے جائیں گے جن کی مدد سے ان مضامین کو سمجھنا آسان ہوجائے گا۔ اس کے باوجود اگر مشکلات درپیش ہوں گی تو ان کا حل بھی تلاش کرلیا جائے گا۔

۵۔ اس نصاب میں شامل کیسٹس کے بارے میں ایسا نظام وضع کیا جائے گا جس سے تمام رفقاء ان کیسٹس سے استفادہ کرسکیں۔ ان کو صفحۂ قرطاس پر منتقل کرکے کتابچوں کی شکل میں مرتب بھی کیا جارہا ہے۔ ان موضوعات پر سوالنامے بھی تیار کئے جارہے ہیں۔

(باقی صفحہ ۹۶ پر)

رفتارِ کار

امیر تنظیم اسلامی کا سہ روزہ دورہ کوئٹہ

مرتّب: سیّد بُرہان علی

۱۵ر جون ۱۹۸۸ء کا دن رفقائے تنظیم اسلامی کوئٹہ کے لئے انتہائی پُرمسرّت اور خوش آئند تھا کہ تقریباً ڈھائی سال کے وقفہ کے بعد امیر محترم کوئٹہ تشریف لانے والے تھے۔ اگرچہ ماضی میں امیر محترم ہر سال کم از کم ایک یا دو مرتبہ کوئٹہ کا دورہ فرماتے رہے تھے۔ لیکن گزشتہ دنوں آپ کی خرابیٔ صحت اور بعض دیگر ناگزیر مصروفیات و حالات کی وجہ سے وقفہ طویل ہو گیا۔ امیر محترم کو خود بھی اس امر کا شدت کے ساتھ احساس تھا اور یہی وجہ تھی کہ انہوں نے یہ قرض چکانے کی خاطر رفقائے کوئٹہ کے اصرار پر تین روز کی مصروفیات صرف کوئٹہ کے لئے وقف فرما دیں جس کے لئے ہم ان کے انتہائی شکر گزار ہیں۔ امیر محترم کا یہ دورہ راقم الحروف نے لاہور میں مشاورت کے موقع پر ۲۳ر جون کو طے کیا تھا۔ اور فوری طور پر اس کی اطلاع کوئٹہ کے رفقاء کو کر دی تھی۔ انتظامات کے لئے چونکہ وقت محدود تھا۔ لہٰذا رفقاء اطلاع ملتے ہی اس کی تیاری میں مصروف ہو گئے۔

مشورہ میں یہ طے کیا گیا کہ اس مرتبہ پوسٹر نہ لگائے جائیں۔ کیونکہ کچھ احباب کا خیال تھا کہ یہ ایک غیر اخلاقی حرکت ہوتی ہے جس پر لوگ بہت برا مناتے ہیں۔ لہٰذا یہ فیصلہ کیا گیا کہ ماضی کے برعکس اس مرتبہ کپڑے کے بینرز پر زیادہ توجہ دی جائے۔ نیز امیر محترم کے دورہ کی تشہیر کے لئے اخبارات اور لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ اعلانات سے زیادہ تر مدد لی جائے۔ چنانچہ پروگرام کے لئے کثیر تعداد میں بینرز تیار کرا کر نمایاں مقامات پر لگائے گئے۔ اور تین روز تک لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ شہر میں اعلانات کرائے گئے۔ علاوہ ازیں تاریخ مقررہ سے دس روز قبل سے وقفہ وقفہ کے ساتھ اخبار میں امیر محترم کے دورہ کا پروگرام خبر کے طور پر دیا گیا۔ ماضی میں امیر محترم کے پروگرام خواہ وہ دو دن کا ہو یا تین دن کا مسجد طوبیٰ میں ہوا کرتے تھے لیکن اس مرتبہ اُس ڈگر سے ہٹ کر مختلف مقامات پر پروگرام ترتیب دیئے گئے۔

بہرحال آمدم بر سر مطلب امیر محترم مورخہ ۱۵ر جون ۱۹۸۸ء بروز بدھ تقریباً دو بجے کوئٹہ

پہنچ گئے۔ قیام و طعام کی سعادت تنظیم اسلامی کوئٹہ کے امیر جناب اکرام الحق کے حصہ میں آئی۔ ان کا گھر شہر کے بالکل وسط میں ہے۔ انہوں نے بڑے ایثار کے جذبہ کے تحت اپنے تمام اہل خانہ کو گھر کی اوپر کی منزل میں منتقل کر دیا اور نچلا حصہ ہمہ وقت تا اختتام پروگرام تنظیمی مقاصد کے لئے وقف کر دیا۔ اس سلسلہ میں جو زحمت اکرام الحق صاحب کے اہل خانہ کو اٹھانی پڑی اور جس طرح کہ انہوں نے میزبانی کے فرائض انجام دیئے۔ اُس کے لئے ہم اُن سب کے تہہ دل سے شکر گزار ہیں اور دعا ہے کہ رب العزّت انکو اسکا زیادہ سے زیادہ اجر عطا فرمائے۔ امیر محترم نے کوئٹہ پہنچنے کے بعد کچھ دیر آرام فرمایا۔ شام ۵ بجے تمام رفقاء امیر محترم سے ملاقات کی خاطر جمع ہو چکے تھے۔ چنانچہ انہوں نے کچھ وقت آپ کی صحبت میں گزارا۔ بعدازاں نماز عصر ادا کی اور تمام رفقاء اپنے اپنے فرائض کی ادائیگی کے لئے روانہ ہوئے۔

بدھ یعنی ۱۵ ر جون کو امیرِ محترم کو جامع مسجد جیل روڈ۔ ہُدّہ میں "دینی فرائض کے جامع تصور" کے موضوع پر بعد نماز مغرب خطاب فرمانا تھا۔ ہدہ کا علاقہ آج سے کچھ عرصہ قبل کوئٹہ کا مضافاتی علاقہ تصور ہوتا تھا۔ اور یہاں کی آبادی نسبتاً کم تعلیم یافتہ تھی۔ لیکن کوئٹہ شہر کے پھیلاؤ کے نتیجہ میں نہ یہ اب مضافاتی بستی ہے اور نہ ہی کم تعلیم یافتہ افراد کا مسکن' بلکہ اب یہ کوئٹہ شہر کا ہی ایک گنجان آبادی والا حصہ ہے اور یہاں کے باسی زیور تعلیم سے آراستہ ہیں۔ مذکورہ مسجد اس علاقہ کی سب سے بڑی اور انتہائی خوبصورت اور دیدہ زیب جامع مسجد ہے۔ امیر محترم کا اس مسجد میں خطاب نہایت مدلل تھا جس کو سامعین کی کثیر تعداد نے سنا اور بہت متاثر ہوئے۔ اگرچہ اُسی روز صدر مملکت کی نفاذِ شریعت کے سلسلہ میں ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر تقریر کا اعلان ہو چکا تھا اور تقریر کا وقت بھی تقریباً وہی تھا جو ہمارے پروگرام کا تھا۔ خیال تھا کہ اُس کی وجہ سے ہمارا پروگرام بہت زیادہ متاثر ہو گا۔ اور ہوا بھی' لیکن شرکاء کی تعداد کو دیکھ کر وہ احساسِ خوف جاتا رہا جو کہ قبل از پروگرام باعث پریشانی تھا اس بات کا ذکر نہ کرنا ناانصافی ہو گی جو اس پروگرام کی کامیابی کے ضمن میں بھرپور تعاون اور کوششیں مسجد کی انتظامیہ نے کیں اور خصوصی طور پر مسجد کے خطیب مولانا رحمت اللہ خان صاحب نے۔ ہمارے رفقاء سے بھی زیادہ انہوں نے بڑھ چڑھ کر کام کیا۔ پروگرام کے دوران انہوں نے بجلی کا ڈبل فیز کنکشن لیا۔ تاکہ لوڈشیڈنگ کی صورت میں پروگرام متاثر نہ ہو۔ اس سلسلہ میں ہم اُن کے انتہائی شکر گزار اور ممنون ہیں اور اللہ تعالیٰ سے اُن کے حق میں دعائے خیر کرتے ہیں۔ تعاون علی البر والتقویٰ کے ضمن میں ان حضرات نے جو کاوشیں کیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کو قبول فرمائے۔ آمین۔

امیر محترم کے دورۂ کوئٹہ کی خبر جس روز اخبار میں شائع ہوئی تو NIPA کے ادارہ کے سربراہ نے تنظیم سے رابطہ قائم کر کے بڑی شدومد کے ساتھ خواہش ظاہر کی کہ ان کے ادارہ میں امیر محترم کا ایک لیکچر ترتیب دیا جائے۔ ان کی خواہش تھی کہ یہ لیکچر بدھ کے روز ہی ہونا چاہئے کیونکہ کورس میں شامل افسران کی بروز جمعرات صبح کی فلائٹ سے اسلام آباد کے لئے روانگی ہے۔ باہمی گفت و شنید کے بعد راقم الحروف نے ان کا پروگرام بروز جمعرات صبح سوا آٹھ بجے طے کر کے امیر محترم کو مطلع کر دیا تھا۔ چونکہ فلائٹ کا وقت سوا گیارہ بجے تھا۔ لہٰذا پروگرام کا وقت ۸ بجے مقرر کرنے سے ڈیڑھ گھنٹہ کا وقت بخوبی نکل آیا۔ چنانچہ امیر محترم نے ٹھیک سوا آٹھ بجے اپنے لیکچر کا آغاز فرمایا جو کہ ادارہ کی طرف سے ہی دیئے گئے موضوع پر تھا۔ بعدازاں آپ نے شرکاء کے سوالات کے سیر حاصل جوابات دئے۔

'NIPA' سے فارغ ہونے کے بعد امیر محترم بغرض ملاقات و عیادت رفیق محترم جناب چودھری محمد یوسف صاحب کے دولت کدہ پر تشریف لے گئے۔ موصوف امیر محترم کے سابقہ میزبان ہیں۔ گزشتہ سالوں کے دوروں کے دوران امیر محترم کا قیام اُن کے ہاں ہی ہوتا تھا۔ چند ماہ پیشتر ایک ایکسیڈنٹ کے نتیجہ میں ان کی ٹانگ پر شدید چوٹیں آئیں جس کی وجہ سے وہ تاحال صاحب فراش ہیں۔ آپ انتہائی خوش اخلاق' ملنسار اور شفیق و خداترس انسان ہیں۔ حکومت بلوچستان میں اہم ذمہ داریوں' بہ شمول ایڈوکیٹ جنرل کے عہدے پر فائز رہ چکے ہیں اور حال ہی میں سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ اور سب سے بڑی خوشی کی بات یہ ہے کہ موجودہ دورہ کے دوران سالار قافلہ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر تنظیم اسلامی کوئٹہ کے ننھے سے قافلہ میں اقامتِ دین کی کٹھن اور پر صعوبت راہوں میں جان' مال' اوقات کھپانے کے لئے شامل ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو استقامت عطا فرمائے۔ آمین۔

کوئٹہ تنظیم کے رفقاء کی شدید خواہش تھی کہ کسی طرح امیر محترم کا ایک پروگرام گورنمنٹ سائنس کالج آڈیٹوریم میں طے پا یا جائے۔ یہ ایک بہت اچھا ہال ہے۔ شہر کے وسط میں واقع ہے۔ اس ہال میں ادارہ منہاج القرآن کے زیر اہتمام ڈاکٹر طاہر القادری کا باقاعدہ درس ہوتا ہے جو پہلے ہر ماہ اور آج کل دو ماہ میں ایک مرتبہ ہوتا ہے۔ ہم نے جب اپنے طور پر امیر محترم کے پروگرام کے لئے اس کے حصول کی کوشش کی تو ناکامی ہوئی۔ لیکن چودھری محمد یوسف صاحب' جن کا ذکر ابھی اوپر ہوا ہے' نے سیکرٹری محکمہ تعلیم سے اس کی منظوری حاصل کر لی۔ جس کے لئے ہم سب لوگ اُن کے انتہائی شکر گزار و ممنونِ احسان ہیں۔

گیارہ بجے امیر محترم چودھری صاحب کی رہائش گاہ سے واپس اپنی قیام گاہ پر تشریف لائے جہاں تمام رفقاء جمع تھے جنہوں نے امیر محترم کی معیت میں ایک بجے تک کا وقت گزارا۔ امیر محترم نے تنظیمی امور و نظم کی پابندی کی اہمیت پر گفتگو فرمائی اور رفقاء کو تلقین فرمائی کہ وہ ذہنی پابندی و فرائض کی ادائیگی کے جذبہ کے تحت اپنے اوقات دعوت دین کے لئے صرف کریں اور اس سلسلہ میں ہرگز تساہل سے کام نہ لیں۔ نیز نظم کی پابندی کو اپنا شعار بنائیں۔ بعد ازاں نماز ظہر سے فارغ ہونے کے بعد امیر محترم نے رفیق محترم خاور قیوم صاحب کے دولت خانہ پر ماحضر تناول فرمایا۔ اگرچہ امیر محترم نے اس کو پسند نہیں فرمایا۔ آپ کی خواہش تھی کہ تمام رفقاء کے ساتھ بیٹھ کر ہی کھانا کھایا جائے۔ لیکن چونکہ خاور صاحب پہلے سے اس کا انتظام کر چکے تھے۔ لہٰذا بادل ناخواستہ امیر محترم ان کی رہائش گاہ پر تشریف لے گئے۔ شام ۵ بجے کے بعد دوبارہ رفقاء نے امیر محترم سے ملاقات کی اور اپنی اپنی ڈیوٹیوں پر روانہ ہو گئے۔ سائنس کالج آڈیٹوریم کے خطاب کے لئے تمام رفقاء نے خصوصی سرگرمی کے ساتھ کام کیا۔ مذکورہ آڈیٹوریم کو بینرز، جس میں تنظیم کی دعوت اور مختلف آیات قرآنی واحادیث کے بینرز تھے سجا رکھا تھا۔ نیز پلے کارڈز جو اس موقع پر تیار کئے گئے تھے، جابجا لگائے گئے تھے۔ نیز کالج کے احاطہ میں نماز مغرب اور نماز عشاء کی جماعت کا اہتمام کیا گیا تھا۔ بعد نماز مغرب امیر محترم نے خطاب کا آغاز فرمایا۔ آپ نے سورۃ المدثر کی ابتدائی تین آیات اور سورۃ الضحیٰ کی آیات کے حوالہ سے سیرت نبوی کی روشنی میں اقامت دین کی جدوجہد کے طریقہ کار کی بھرپور وضاحت فرمائی۔ سامعین کی خاصی تعداد (تقریباً چار صد سے زائد) موجود تھی جنہوں نے بڑی دلچسپی اور انہماک کے ساتھ خطاب سنا۔ امیر محترم نے واضح اور دوٹوک الفاظ میں فرمایا کہ دین الٰہی کے نفاذ کی کوششیں صرف اور صرف اُسی صورت میں بار آور ہو سکتی ہیں جب کہ سیرت کی روشنی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق کار کی پیروی کی جائے۔ کچھ حضرات نے خطاب کے دوران سوالات بھیجے جن کا جواب آپ نے خطاب مکمل کرنے کے بعد دیا۔ نماز عشاء کے ساتھ ہی ساتھ اس محفل کا اختتام ہوا۔

جمعرات کی طرح جمعہ کے روز بھی امیر محترم کی مصروفیات بھرپور رہیں کیونکہ اس دن بھی امیر محترم کے دو خطابات تھے ایک خطاب جمعہ اور دوسرا حسب معمول بعد نماز مغرب۔ خطاب جمعہ کے لئے مسجد طوبیٰ کا انتخاب کیا گیا تھا۔ تمام رفقاء نے جا کر خود مسجد میں انتظامات کئے اور ٹھیک ساڑھے بارہ بجے امیر محترم کا خطاب شروع ہوا۔

جس میں آپ نے سورۃ الجمعہ کے حوالے سے فضائل جمعہ بھی بیان فرمائے نیز سورۃ الصف کے حوالے سے دین حق کے غلبہ کے لئے ایک سمع وطاعت والی جماعت کی ضرورت کی اہمیت بیان فرمائی۔ مسجد میں بھرپور حاضری تھی۔ مسجد سے باہر اطراف کی سڑکوں پر صفیں بچھا کر شامیانے لگائے گئے تھے۔ جہاں بالکل جگہ خالی نہ تھی بعد نماز امیر محترم نے آرام فرمایا اور رفقاء شام کے پروگرام کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ جمعہ کے روز شام کے پروگرام کے لئے کواری روڈ پر واقع مسجد بلال کا انتخاب کیا گیا تھا۔ اس مسجد میں بھی شرکاء کی حاضری بڑی اچھی رہی اور لوگ نہایت ذوق وشوق کے ساتھ امیر محترم کو سننے کے لئے آئے۔ جس بھرپور انداز میں مسجد کی انتظامیہ نے اور خصوصی طور پر مسجد کے خطیب صاحب نیز انتظامیہ کمیٹی کے رکن جناب خوشدل خان نے اس سلسلہ میں جو تعاون فرمایا وہ قابل رشک و تعریف تھا۔ ہم تمام رفقاء کوئٹہ تنظیم تہہ دل سے اُن کے شکر گزار و ممنون احسان ہیں۔ اللہ تعالیٰ دین کے لئے ان کی پر خلوص کاوشوں کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور ان کو اجر عظیم سے نوازے۔ آمین۔

امیر محترم نے یہاں پر سورۃ آل عمران کی آیات ۱۰۲ تا ۱۰۴ اور منتخب احادیث کے حوالہ سے مسلمانوں پر واضح فرمایا کہ فلاح پانے کے لئے کیا کچھ کرنا مطلوب ہے۔ نیز غلبۂ دین حق کے لئے جدوجہد کن خطوط پر ہونی چاہئے۔ امیر محترم کا خطاب نہایت جامع اور مدلل تھا۔ جس کے اثرات شرکاء کے چہروں سے ظاہر ہو رہے تھے۔ یوں اس پروگرام کے ساتھ ہی جمعہ کے دن کی مصروفیات کا بھی اختتام ہوا۔

چونکہ ہفتہ کے روز امیر محترم نے لاہور واپس روانہ ہونا تھا اور فلائٹ کا وقت ساڑھے گیارہ بجے تھا۔ لہٰذا اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بعد نماز فجر تا ۹ بجے خصوصی ملاقات کی نشست کا اہتمام کیا گیا تھا تاکہ خطابات کے دوران اگر کوئی اشکال یا سوال پیدا ہوں تو ان کے بارے میں امیر محترم سے دریافت کیا جا سکے۔ بہرحال چونکہ یہ وقت ایسا تھا کہ اکثر و بیشتر لوگوں کے سونے کا وقت تھا۔ لہٰذا اس میں کوئی خاص تعداد میں لوگ شریک نہ ہو سکے۔ البتہ رفقاء تمام موجود تھے اور کچھ لوگ جو اس مقصد کے لئے تشریف لائے تھے۔ امیر محترم نے ان سے تعارف حاصل کیا۔ ان سے گفتگو فرمائی اور ان کے سوالات کے جوابات بھی عنایت فرمائے۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا رفقاء کا یہ احساس بڑھ رہا تھا کہ ایک لمبے عرصے کے بعد ان کو جو قرب اپنے رہبر کے ساتھ حاصل ہوا ہے اب وہ جدائی کے لمحات کی جانب گامزن ہے۔ چنانچہ تقریباً دس بجے تمام رفقاء نے اپنے امیر کو الوداعی سلام کیا اور آپ لاہور روانگی کے لئے عازم ایئرپورٹ

ہوئے۔ ایئرپورٹ پر کوئٹہ تنظیم کے امیر جناب اکرام الحق' رفقائے محترم خاور قیوم صاحب شاہد اسلام صاحب و راقم الحروف نے امیرِ محترم کو خدا حافظ کیا۔

امیر محترم کے دورہ کے دوران کوئٹہ میں رفقاء کی قلیل تعداد نے جس جانفشانی اور لگن کے ساتھ کام کیا' یہ اُن ہی کا حصہ تھا۔ تمام انتظامات انہوں نے بھرپور انداز میں کئے۔ علاوہ ازیں ایک نکتہ جو اوپر تحریر میں نہیں آیا وہ یہ کہ اس دورہ کے لئے خصوصی طور پر پلے کارڈ بنائے گئے تھے جو تنظیم کی دعوت اور پروگرام کی تشہیر کا ذریعہ بھی تھے۔ رفقاء نے شہر کے مختلف حصوں میں پھرائے اس لحاظ سے یہ سب لوگ یقیناً مبارک باد کے مستحق ہیں۔ دعا ہے کہ رب العزت ان سب کو دن کا مجاہد اور رات کا راہب بنائے۔ اور صحت و تندرستی سے نوازے۔ آمین۔ یہاں رفیق محترم خاور قیوم صاحب کا ذکر نہ کیا جائے تو یقیناً ناانصافی ہوگی کہ ان کی خوبصورت گاڑی امیر محترم کے لئے ہر وقت "سٹینڈ بائی" (STAND BY) رہی۔ امیر محترم تمام پروگراموں کے لئے ان ہی کی گاڑی میں تشریف لے گئے۔ پٹرول بھی انہوں نے اپنا ہی استعمال کیا اور ڈرائیو بھی خود ہی کی۔ اور یوں رفقاء کو ایک اضافی انتظام سے بچایا۔ اللہ تعالیٰ ان کے جذبہ ایثار و انفاق کو قبول فرمائے اور اُن کو اس کا اجر عطا فرمائے۔ آمین۔

اور اب آخر میں اس دورہ کا ثمر جو ہمیں نصیب ہوا وہ ہمارے تین قیمتی ساتھی ہیں جنہوں نے انصار اللہ بننے کا فیصلہ فرمایا اور امیر محترم کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر تنظیم اسلامی کوئٹہ کے مختصر سے قافلہ میں گرانقدر اضافہ فرمایا۔

دعا ہے کہ مولائے کریم ان کو ان کے فیصلہ پر ثابت قدم رکھے اور ہمارے لئے تقلید کا باعث ہوں۔ آمین۔

ہمارے سعودی عرب کے رفیق محترم جناب رحمانی صاحب بھی اس دورہ میں امیر محترم کے ہم رکاب تھے۔ کوئٹہ کے قیام کے دوران انؐ کے ساتھ بڑی قربت رہی ماشاء اللہ تمام رفقاء کے ساتھ فوراً ہی گھل مل گئے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ برسوں پرانی شناسائی ہے۔ دینی بھائیوں کا آپس میں میل جول ایسا ہی ہونا چاہئے۔ البتہ ہم ان کی خاطر خواہ مدارت نہ کر سکے جس کے لئے معذرت خواہ ہیں۔ امید ہے کہ وہ پھر کبھی ہمیں خدمت کا موقع فراہم فرمائیں گے۔

XXXXX

رسائل و مسائل

این، آئی، ٹی، یونٹس

سوال :- کسی زمانے میں تحریک اسلامی کے رہنما .... نے رحیم یار خاں میں فرمایا تھا کہ گورنمنٹ نے ان کو سُود سے پاک کر دیا ہے۔ اب میں آپ سے یہ گذارش کرنا چاہتا ہوں کہ آپ اس کی وضاحت فرما دیں کہ این آئی ٹی یونٹ کا کام اب بھی سُود سے پاک ہے۔ کیا میں تحریک اسلامی کے کارکن کی حیثیت سے ان کو خرید سکتا ہوں یا اس میں سُودی کاروبار کا اندیشہ ہے۔

جواب :- آپ کا استفسار دربارۂ خریداری این، آئی، ٹی، یونٹ جناب قاضی حسین احمد صاحب امیر جماعتِ اسلامی کو موصول ہوا تھا جو انہوں نے برائے جواب میرے سپرد فرما دیا تھا۔ اس ادارے کے مختصر مطبوعہ اعلانات اور تعارفی لٹریچر وغیرہ میں یہی درج ہوتا ہے کہ یہ ادارہ سُود سے پاک منافع تقسیم کرتا ہے۔ لیکن اس دعوے کی تصدیق کے لیے ضروری تھا کہ اس کی بیلنس شیٹ اور مفصل سالانہ رپورٹ بھی دیکھ لی جائے۔ اِس رپورٹ کے حصول میں تاخیر ہوگئی جس کے باعث آپ کے استفسار کا جواب بروقت تحریر نہ ہو سکا۔ اب این، آئی، ٹی کی ۱۹۸۰ء کی سالانہ مطبوعہ رپورٹ دست یاب ہوئی ہے، جس کے مطالعہ سے درج ذیل معلومات فراہم ہوتی ہیں:

ا ــــ اس ادارے میں جمع شدہ سرمایے کا ۸۳/۱ فیصد مختلف بنکوں اور سُودی مالیاتی اداروں (الائیڈ بنک، حبیب بنک، مسلم کمرشل بنک، نیشنل بنک EQUITY PARTICIPATION FUND وغیرہ) کے سُودی حصص کی خریداری میں صرف ہوا ہے اور ان پر متعین فیصد سُود وصول کیا جاتا ہے۔ اگرچہ اس کا نام منافع رکھ دیا گیا ہے۔

۲ ــ ادارے کے جملہ سرمایے کے ۳۹/۲ فیصد سے میوچل فنڈ سرٹیفکیٹ خریدے گئے ہیں۔ یہ سرٹیفکیٹ آئی، سی، پی فنڈ کی خریداری میں سرمایہ کاری کے نام پر حاصل ہوتے ہیں، جس میں بنکوں کے سُودی حصص شامل ہیں۔

۳ ــ پی، ٹی، سی (PARTICIPATION TERM CERTIFICATE) کے نام سے سرمایے کا ۳ ۶/ ۱ فیصد پی، ٹی، سی، تمسکات کی خریداری میں لگایا گیا ہے، اگرچہ

میں شراکت یا مضاربت کے شرعی اصول کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔سُودی اضافے کا فقط نام بدل دیا گیا ہے۔

۴۔ مارک اَپ سسٹم کے تحت سرمایے کا ۲۳/۷۰ فی صد مختلف صنعتی یا کاروباری اداروں میں لگایا گیا ہے۔ مارک اَپ میں جس منافع کا اعلان کیا جاتا ہے اس کے لیے جواز کی دلیل ایک خاص قسم کے معاہدۂ خرید و فروخت سے فراہم کی جاتی ہے جسے فقہی اصطلاح میں بیع المرابحہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، مگر مارک اَپ میں صاحبِ مال کو یہ معلوم تک نہیں ہوتا کہ اس کے سرمایے سے کیا چیز کس قیمت پر خریدی اور پھر بیچی جا رہی ہے۔ چہ جائیکہ وہ چیز اس کی ملک یا قبضے میں آئے اور وہ اسے نفع پر فروخت کی اجازت فریقِ ثانی (بنک یا کاروباری ادارے) کو دے۔ یہ ساری کارروائی بالکل جعلی اور فرضی حیلہ بازی ہوتی ہے، جو سُود کی حرمت کو حلت میں بدلنے کے لیے کی جاتی ہے۔

۵۔ پی، ٹی سرٹیفکیٹ کی طرح تمسکات کی ایک دوسری قسم ہے جو ٹی، ایف، سی (ٹرم فنانس سرٹیفکیٹ) کے نام سے معروف ہے۔ ان تمسکات میں بھی نام کا فرق ہے ورنہ عملاً اور حقیقتاً ان میں اور سُودی لین دین میں کوئی فرق وامتیاز نہیں ہے۔ ٹرم فنانس سرٹیفکیٹ کی خریداری میں این، آئی، ٹی کا ۴۹/۱ فی صد سرمایہ ۱۹۸۷ء میں لگایا گیا ہے۔

ان جملہ تفصیلات سے یہ امر ثابت ہے کہ این آئی، ٹی کے جمع کردہ سرمایے کا تقریباً ۲۹ فی صد اب بھی سُودی کاروبار میں لگایا گیا ہے۔ لہٰذا اس ادارے کا یہ اعلان بالکل غلط اور خلافِ واقعہ ہے کہ اس ادارے کی سرمایہ کاری سُود سے پاک منافع کی ضامن ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ ٹرسٹ کے ڈائریکٹروں کی بڑی تعداد بنکوں اور اداروں کے نمائندوں پر مشتمل ہے اور ٹرسٹی نیشنل بنک آف پاکستان ہے۔ چنانچہ میری تحقیق کے مطابق اس ادارے کے یونٹ خریدنا شرعاً جائز نہیں۔

اگر ہمارے بعض محترم بزرگوں اور علمائے کرام نے این، آئی، ٹی کے حصص کی خریداری کو جائز کہا تھا تو غالباً اس بنا پر تھا کہ اس ادارے کے منتظمین نے یہ اطمینان دلایا تھا کہ اس ادارے کے کاروبار میں جن سُودی اجزا کی نشاندہی کی گئی تھی، ان کا خاتمہ کر دیا گیا ہے۔ (ط۔ع)

(بشکریہ ماہنامہ "ترجمان القرآن" جون ۱۹۸۸ء)

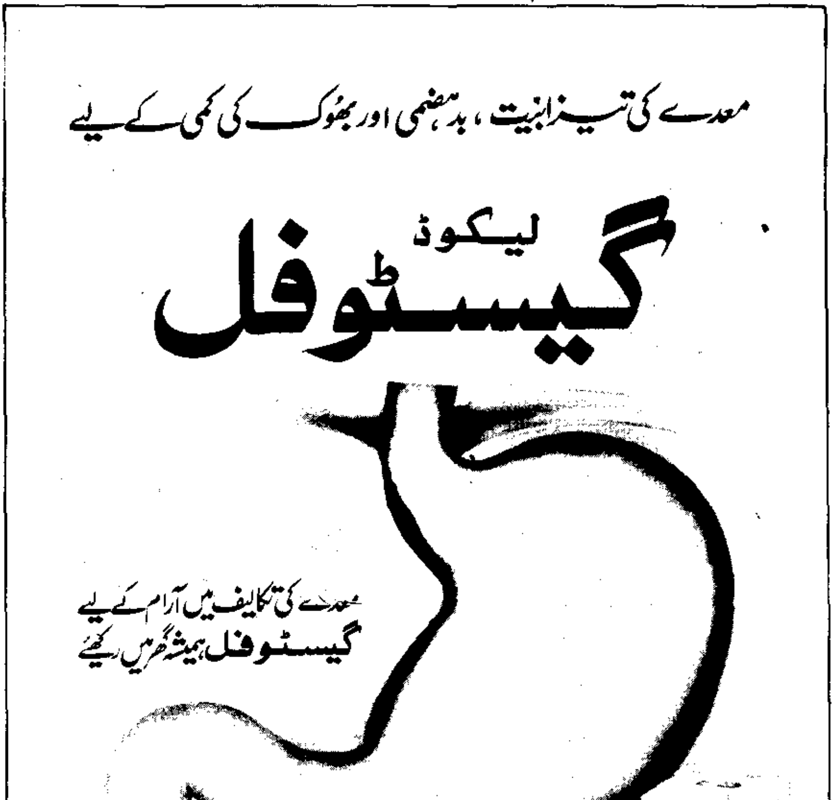
معدے کی تیزابیت ، بدہضمی اور بھوک کی کمی کے لیے
لیکوڈ
گیسٹوفل
معدے کی تکالیف میں آرام کے لیے
گیسٹوفل ہمیشہ گھر میں رکھیے
LIQUID
Gesto fill
تحقیق کی روایت۔ معیار کی ضمانت

QD – 6

تازہ، خالص اور توانائی سے بھرپور

پاک پیور®

مکھن اور دیسی گھی

یونائیٹڈ ڈیری فارمز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
(قائم شدہ ۱۸۸۰) لاہور
۲۲- لیاقت علی پارک ۲- بیڈن روڈ- لاہور، پاکستان
فون: ۲۲۱۵۹۸-۳۱۲۷۵۴

SV ADVERTISING

خطوط ونکات

فَاِنْ یَّكْفُرْ بِهَا هٰٓـؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا
قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ

جناب ڈاکٹر اسرار صاحب! السلام علیکم

اللہ کرے آپ کی صحت بہتر ہو۔ میں یہاں ہوسٹن میں پچھلے ۱۲ سال سے رہ رہا ہوں۔ ۲ سال پہلے میرے ایک دوست نے آپ کے کچھ کیسٹ سننے کو دیئے۔ ان کے سننے کے بعد اللہ پاک کا بہت کرم ہے کہ مجھ کو تھوڑا سا دین سے لگاؤ ہو گیا ہے۔ میرا کام اس قسم کا ہے کہ اکثر ۶ گھنٹے دن میں آفس میں آپ کی تقریر سنتا رہتا ہوں۔ میں ایک انجنیئرنگ کمپنی کے ساتھ ڈرافٹنگ اینڈ ڈیزائننگ کرتا ہوں۔ اپنے کان میں ہیڈ فون لگا کر آپ کی تقریر باقاعدگی سے سنتا رہتا ہوں۔ میرے پاس آپ کی تقریروں کے تقریباً ۶۰۰ کیسٹ ہیں۔ ابھی پچھلے مہینے میرے بھائی چار سو کیسٹ پاکستان سے لے کر آئے ہیں۔ اور میرے ایک بھائی پاکستان سے آپ کی تقریر جو کہ آپ جمعہ کو کرتے ہیں بھیج دیا کریں گے۔

یہ خط لکھنے کی وجہ یہ ہے کہ میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا جس طرح مجھ میں تھوڑا سا دین کا لگاؤ ہو گیا ہے اسی طرح اگر میں اپنے بھائیوں کو یہ کیسٹ دوں تو شاید ان پر بھی اس کا ضرور اثر ہو گا۔ میرا ارادہ یہ بالکل نہیں ہے کہ اس سے کسی قسم کا کوئی منافع لوں۔ اس سلسلہ میں آپ سے اجازت چاہوں گا اور میری دلی خواہش یہ ہے کہ آپ ایک ہفتہ کے لئے ہوسٹن آئیں۔ میں انشاء اللہ آپ کا سارا انتظام کروں گا۔ آپ نے یہ جو دین کا کام شروع کیا ہے۔ اللہ آپ کو اس کا اجر دیں۔ آپ نے ہم جیسے گنہگاروں کو سیدھی راہ دکھادی

بڑی عنایت ہو گی اگر آپ دو لائن لکھ کر مجھے بھیجدیں اور اپنے آنے کے متعلق بتائیں۔ میں آپ کو ٹکٹ وغیرہ بھیجدوں گا۔ دعا کریں۔ یہ کام جو میں شروع کر رہا ہوں اللہ اس کو کامیاب کرے

آپ کا بیٹا

اعجاز حق

ممبئی (بھارت) میں دعوت رجوع الی القرآن کا تعارف

محترمی مولانا ڈاکٹر اسرار احمد صاحب

السلام علیکم

قبل از رمضان آپ کی خدمت میں ایک خط ادھورے پتہ پر روانہ کیا تھا چونکہ اب تک اس کا جواب نہیں آیا یہی سمجھتا ہوں کہ آپ کو وہ خط نہیں ملا۔ بڑی تلاش و جدوجہد کے بعد ایک کیسٹ پر تنظیم اسلامی کا اور قرآن اکیڈمی کا صحیح پتہ ملا۔ امید ہے ان شاء اللہ تعالیٰ نہ صرف یہ خط آپ کے ہاتھوں تک پہنچے گا بلکہ اپنے آپ کو پڑھوائے گا بھی۔

گذشتہ ڈیڑھ سال قبل غفلت میں ڈوبی ہوئی امت مسلمہ میں دینی شعور بیدار کرنے کے لئے مسلم ایجوکیشنل سوسائٹی نے ممبئی کے مضافات میں اقراء اسلامک لائبریری کی بنیاد ڈالی۔ اس قلیل عرصہ میں ہم اب تک ہزار سے زائد کتابیں جمع کر چکے ہیں۔ نیز ہر سنیچر کو درس قرآن کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اور اس رمضان سے اسلامک کیسٹ سیریز کا اجراء کیا گیا ہے جس کے لئے ہمیں آپ کی مدد درکار ہے۔

جب سے آپ کے کیسٹ ہم نے سُنے ہیں اور لوگوں کو سنوائے ہیں تو بس اب کسی اور کا بیان سننے پر طبیعت مائل نہیں ہوتی۔ آپ اس امتِ مسلمہ کے لئے ایک بڑا کام کر رہے ہیں۔ امید ہے آپ اسے جاری رکھیں گے۔ ہم اللہ تعالےٰ سے دعاگو ہیں کہ وہ آپ کو اجرِ عظیم عطا کرے اور قرآن اکیڈمی کے پروجیکٹ کو کامیاب کرے۔

ہم اپنی لائبریری کے لئے آپ کے وہ تمام کیسٹ اور لٹریچر حاصل کرنا چاہتے ہیں جو اب تک منظرِ عام پر آچکا ہے۔ ہم اس کا خرچ برداشت کرنے کے لئے تیار ہیں لیکن شرح تبادلہ کی صورت کیا ہو اور یہ کیسٹ اور لٹریچر بذریعہ پوسٹ بھیجے جائیں گے یا کسی درمیانی واسطے کے معرفت؟۔ ہندوستان کے دور افتادہ آپ کے بھائی آپ کی توجہ اور عنایت کے مستحق ہیں امید ہے آپ ہم سے رابطہ قائم رکھیں گے تاکہ مستقبل قریب میں آپ کے دیگر اسلامی پروجیکٹ اور پروگرام سے ہند کے مسلمان بھی استفادہ کر سکیں۔

وما علینا الا البلاغ

دعاؤں کا طالب

احقر معین الدین ڈون

جامعہ اسلامیہ قاسم العلوم میانوالی سے ایک خط

مکرمی جناب ڈاکٹر صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' ۔ امید ہے کہ آپ نے خیریت سے روزے اور تراویح کو احسن طریقہ سے پورا کرکے عید کرلی ہوگی۔ لہٰذا میری طرف سے عید کی مبارک ہو۔

مجھے آپ کو ڈاکٹر لکھنے سے کچھ حجاب سا محسوس ہوتا ہے اس لئے کہ آپ کی شخصیت اس سے واضح نہیں ہوتی۔ صحیح وصف وہی ہوتا ہے جس سے موصوف کی صحیح طریقہ سے وضاحت ہوسکے۔ اس لئے میرے لئے آپ کا جامع وصف مفکرِ قرآن ہی ہوسکتا ہے۔ چونکہ عوام میں آپ ڈاکٹر کے تخلص سے پہچانے جاتے ہیں اس لئے میں نے بھی آپ کو ڈاکٹر صاحب کے وصف سے مخاطب کیا ہے۔ مجھے آپ کے کام سے پورا اتفاق ہے کہ جب تک قوم قرآن کریم کے قریب نہ ہوگی اس وقت تک یہ گمراہی کے اندھیروں سے نہیں نکل سکتی۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب، جب مالٹا سے رہا ہوکر دیوبند پہونچے تو انہوں نے اپنی تقریر میں فرمایا تھا کہ " میں کافی تجربہ کے بعد اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ مسلمانوں کی بقا صرف قرآنِ کریم کی تعلیم ہی سے وابستہ ہے۔" لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ کام اجتماعیت کے بغیر مشکل ہے' اس کام کے لئے ایک مضبوط جماعت کی ضرورت ہے جو کفر اور الحاد کے طوفان کے مقابلہ میں چٹان بن کر اس طرح کھڑی ہو کہ اس پر کسی برائی کا حملہ کرنا ناممکن ہو۔ اور یہ صرف قرآن کی تعلیم ہی سے مضبوط ہوسکتی ہے اگرچہ میرا تعلق سید مودودی کی جماعت سے ہے لیکن میں ہر اس شخص کی تائید کرتا ہوں جو اس اندھیر نگری میں شمع جلانے کیلئے کوشش کرتا ہے۔ اس وقت آپ جیسے انسان مبارکباد کے مستحق ہیں جو الحاد اور کفر کی سخت تند و تیز اندھیروں میں ڈٹ کر مقابلہ کررہے ہیں۔ جب تک اہلِ حق متحد نہیں ہوں گے اس وقت تک برائی کا مقابلہ کرنا مشکل ہوگا۔

میں نے آپ کا قیمتی وقت اس لئے لیا ہے کہ موجودہ برائی اور بدی کی طغیانی میں انسان کا اکیلا رہتے ہوئے بچنا بہت ہی مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو کامیاب کرے۔ مجھے امید ہے کہ جناب مجھے اپنی نیک دعاؤں میں شریک کریں گے۔

دعا گو

علی محمد مظاہری' میانوالی

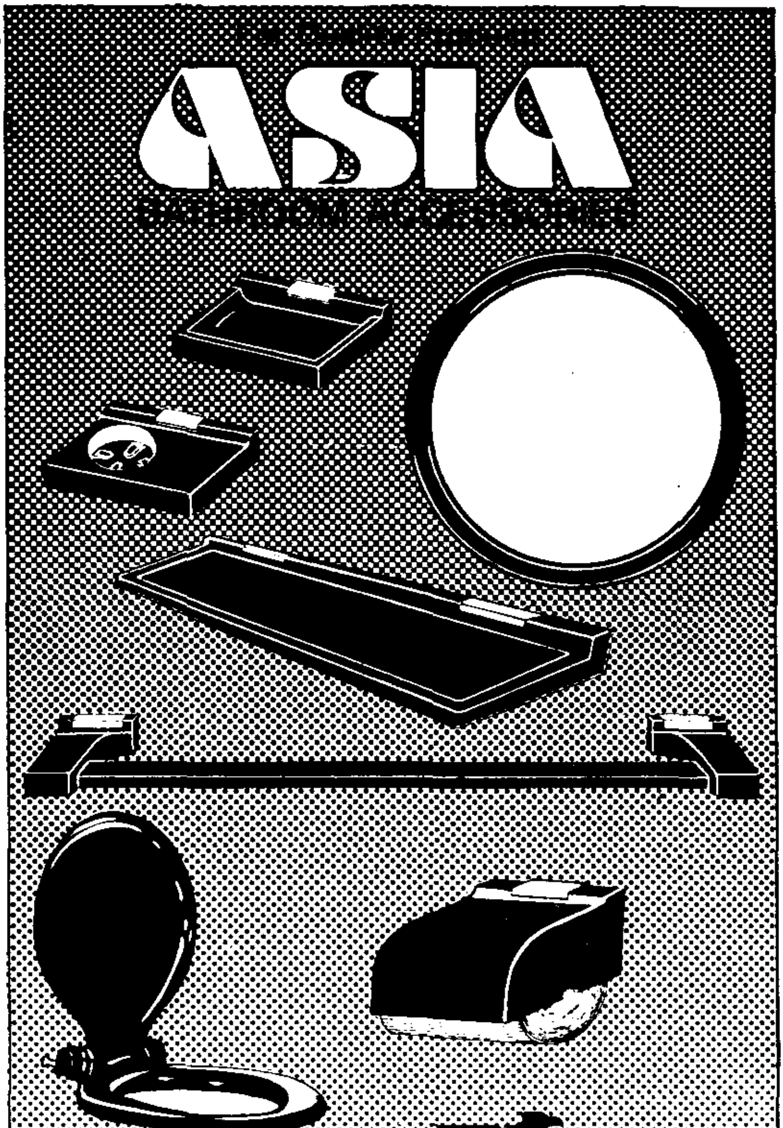

ASIA
ASIA PLASTIC INDUSTRIES LAHORE

افکار و آراء

تبلیغ اور جہاد

ابن الاسلام محمد یونس قریشی

اسلامی تعلیمات تمام دنیا کے لوگوں تک پہنچانے اور اسلام کا عَلَم ساری دنیا پر لہرانے کے دو طریقے ہمیں ملتے ہیں ایک تبلیغ اور دوسرا جہاد۔

تبلیغ کا معیار (Ideal) ہمارے سامنے تبلیغ طائف ہے۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے طائف میں اسلام کی تبلیغ کی تو وہاں کے سرداروں نے اور لوگوں نے اسے نہ مانا اور اُلٹا آپؐ پر پتھر پھینکے۔ آپؐ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی جس میں آپؐ نے فرمایا کہ جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر یا اللہ تو مجھ سے راضی ہے تو مجھے کسی بات کی پرواہ نہیں۔

اللہ نے آپؐ کی نصرت کے لئے آسمان سے فرشتے بھیجے۔ مگر آپؐ نے یہ امید ظاہر کی کہ ہوسکتا ہے کہ ان لوگوں کی آنے والی نسلیں اسلام قبول کرلیں۔

فرشتے آج بھی ہماری مدد کے لئے اتر سکتے ہیں بشرطیکہ آج ہم بھی تبلیغ کا حق ادا کریں۔ ہماری تبلیغ اپنے معیار یعنی طائف کی تبلیغ کے جتنے قریب ہوگی اتنا ہی زیادہ اثر ہوگا۔

ہمارے عمل، ہمارے اخلاق بھی اگر اچھے ہوں گے تو یہ بھی خاموش تبلیغ ہوگی اور دوسرے مذاہب کے لوگ ہم سے متاثر ہوکر اسلام کی طرف آئیں گے۔

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ بدر میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اپنے جاں نثاروں کے ساتھ میدان میں اترتے ہیں تو ہزاروں کی تعداد میں وہ دشمن کو شکست دیتے ہیں کہ آج تک اس کی مثال نہیں ملتی۔ پھر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ فرشتے مسلمانوں کی نصرت اور اطمینانِ قلب کے لئے اترتے ہیں۔

آج اگر ہم بھی جہاد کا حق ادا کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ فرشتے نہ اتریں ہماری مدد کے لئے۔

اب ہمارا جہاد جتنا اپنے آئیڈیل اپنے معیار کے قریب ہوگا اتنا ہی اثر زیادہ ہوگا۔

یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ تبلیغ کے ساتھ اور جہاد کے ساتھ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اپنے رب کے حضور دعا مانگتے ہیں۔ صبح جنگ ہونی ہے تو رات کو امیرِ لشکر گڑگڑا کر اپنے رب کے حضور دعا مانگتا ہے۔

اور پھر صبح اللہ اپنے بندوں کی مدد کرتا ہے اور ان کے اطمینانِ قلب کے لئے فرشتے بھیجتا ہے۔

جہاد بڑے وسیع معنوں میں استعمال ہوتا ہے گویا اسلام کے لئے جو جد و جہد کی جائے گی وہ جہاد ہے۔

آج ہم مسلمان اسی لئے ذلیل و خوار ہو رہے ہیں کہ ہم نے تبلیغ اور جہاد کو چھوڑ دیا ہے اور بعض نے ان دونوں میں سے ایک کو اپنایا اور دوسرے کو چھوڑ دیا ہے۔

حالانکہ جہاں تبلیغ کی ضرورت ہو وہاں تبلیغ کی جانی چاہیئے اور جہاں جہاد کی ضرورت ہو وہاں جہاد کرنا چاہیئے اور یہ تمام کام صرف اور صرف اللہ کی خوشنودی کے لئے کرنا چاہیئے۔

—●—

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذۡنَاۤ اِنۡ نَّسِيۡنَاۤ اَوۡ اَخۡطَاۡنَا

اے ہمارے رب، اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں تو (ان گناہوں پر) ہماری گرفت نہ فرما۔

رَبَّنَا وَلَا تَحۡمِلۡ عَلَيۡنَاۤ اِصۡرًا كَمَا حَمَلۡتَهٗ

اور اے ہمارے رب، ہم پر ویسا بوجھ نہ ڈال جیسا تونے اُن لوگوں پر ڈالا

عَلَى الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِنَا

جو ہم سے پہلے ہو گزرے ہیں۔

رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلۡنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ

اور اے ہمارے رب، ایسا بوجھ ہم سے نہ اٹھوا جس کے اُٹھانے کی طاقت ہم میں نہیں ہے۔

وَاعۡفُ عَنَّا وَاغۡفِرۡ لَنَا وَارۡحَمۡنَا

اور ہماری خطاؤں سے درگذر فرما، اور ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم فرما۔

اَنۡتَ مَوۡلٰٮنَا فَانۡصُرۡنَا عَلَى الۡقَوۡمِ الۡكٰفِرِيۡنَ ۝

تو ہی ہمارا کارساز ہے۔ پس کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔

ہمیں توبہ کی توفیق عطا کردے

ہماری خطاؤں کو اپنی رحمتوں سے ڈھانپ لے

عطیہ اشتہار

میاں عبدالواحد
بھگوان شریف، پرانی انار کلی، لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

اور سب مل کر اللہ کی رسی مضبوط پکڑو اور پھوٹ نہ ڈالو

Seiko

BRAKE + CLUTCH LINING

میسی فرگوسن ٹریکٹر کے ہر ماڈل پرزہ جات کے ہول سیل ڈیلر

S SEIKO

سٹاکسٹ: طارق آٹوز ۱۳۔ نظام آٹو مارکیٹ بادامی باغ لاہور۔ فون: ۲۰۰۹۶۰

ھر قسم کے بال بیئرنگز کے مرکز

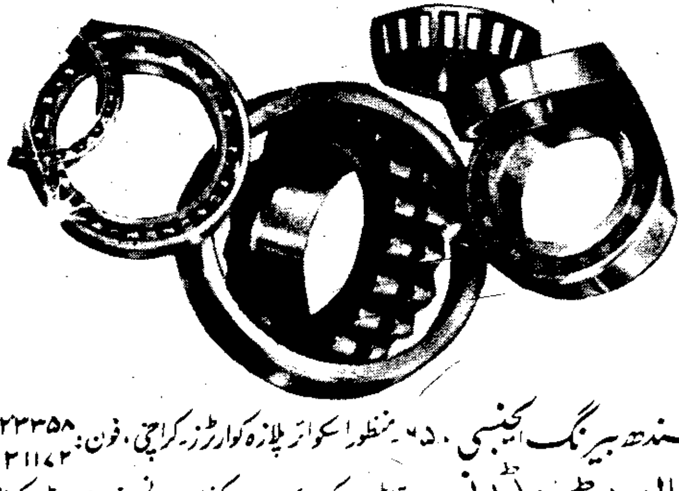

سندھ بیرنگ ایجنسی۔ ۵۰۔ منظور اسکوائر پلازہ کوارٹرز۔ کراچی۔ فون: ۷۲۳۳۵۸، ۷۲۱۱۷۲

خالد ٹریڈرز۔ بمقابل کے ایم سی ورکشاپ۔ نشتر روڈ۔ کراچی

فون: ۳۵۱۱۳، ۳۲۵۵۲، ۳۰۵۵۵

مقابل ہے آئینہ

کراچی کی آگ کو بھڑکانے میں کس کس کا — کتنا کتنا حصّہ ہے ؟
سقوطِ مشرقی پاکستان کے پندرہ برس بعد — سندھ کیوں جل رہا ہے ؟
پنجابی سندھی کشمکش — مہاجر پٹھان تصادم کیوں بن گئی ؟

کیا اِس شر میں کچھ خیر بھی ہے ؟

سیاسی محرومیوں، انتظامی بے تدبیریوں، حکمرانوں کے آمرانہ طرزِ عمل، اپنوں کی مہربانیوں اور غیروں کی سازشوں کا — بے لاگ تجزیہ

اصلاحِ احوال کی مثبت تجاویز

امیر تنظیم اسلامی **ڈاکٹر اسرار احمد** کا تازہ سلسلہ مضامین

استحکامِ پاکستان اور مسئلہ سندھ

کتابی صورت میں دستیاب ہے

ہر درد مند پاکستانی کے لیے اِس کتاب کا مطالعہ ضروری ہے

۱۴۴ صفحات، سفید آفسٹ کاغذ، قیمت صرف ۱۵/ روپے

ملنے کا پتہ : ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔ فون: ۸۵۲۶۸۳

بقیہ: دعوتی و تربیتی نصاب

۶۔ اجتماعات کے ضمن میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ ہفتہ وار درس قرآن میں شمولیت کی پابندی وہیں ہوگی جہاں یہ حلقہ قائم ہے۔ بصورت دیگر اس کے لئے کوشش کی جائے اور اگر فی الحال امکان نہ ہو تو اسرہ کے اجتماع ہی میں کچھ وقت درس قرآن یا ترجمہ قرآن کے لئے رکھا جائے۔

۷۔ منفرد رفقاء کے لئے مرکز یا علاقائی مرکز میں ماہانہ ملاقات کے لئے تشریف آوری کی پابندی اس صورت میں جبکہ خط و کتابت کے ذریعہ رابطہ نہ ہو سکتا ہو امرائے حلقہ اپنی صوابدید اور علاقائی حالات کی روشنی میں اس مقصد کے لئے دن اور اوقات معین کر سکتے ہیں۔ تاہم عام حالات میں بھی ہمارے علاقائی مراکز میں رفقاء کی پذیرائی اور رفقاء کا ذمہ دار حضرات سے ملاقات کا اہتمام ہونا چاہیئے۔

۸۔ تعمیر سیرت و کردار اور تزکیۂ نفس کے لئے غور و فکر۔ تدبر۔ جائزہ۔ ادعیہ ماثورہ اور اذکار مسنونہ کا اہتمام تجویز کیا گیا ہے۔ اگر کسی مزکی اور تربیت کنندہ کی صحبت نصیب ہو جائے تو وہ سونے پر سہاگہ ہوتی ہے۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اس کا اہتمام ذاتی اور مقامی حالات پر منحصر ہوگا۔ رفقاء خصوصی اوقات تنہائی میں باطنی بیماریوں پر غور و فکر کریں اور اذکار مسنونہ کے لئے صبح و شام کے کچھ خصوصی اوقات مقرر کریں۔ نیز عام حالات اور روزمرہ معروفیات کے دوران بھی ان کا خیال رکھیں۔

نوٹ: تربیتی و تنظیمی نصاب برائے رفیق مبتدی سے کامیابی کے ساتھ گزرنے کے بعد ایک رفیق نصاب کے اگلے مرحلہ یعنی تربیتی نصاب برائے رفیق منتظم حصہ اوّل کا اہل ہوگا۔ رفیق منتظم کے لئے تربیتی نصاب حسب موقع و ضرورت بعد میں ارسال کئے جائیں گے۔

سالانہ زرتعاون برائے بیرونی ممالک

سعودی عرب، کویت، دوبئی، دوحہ، قطر، متحدہ عرب امارات — ۲۵ سعودی ریال یا ۵۰۰ روپے پاکستانی
ایران، ترکی، اومان، عراق، بنگلہ دیش، الجزائر، مصر — ۶ امریکی ڈالر یا ۳۰۰ روپے پاکستانی
یورپ، افریقہ، سکنڈے نیوین ممالک، جاپان وغیرہ — ۹ امریکی ڈالر یا ۱۵۰
شمالی و جنوبی امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ وغیرہ — ۱۲ امریکی ڈالر یا ۲۰۰

ترسیل زر: ماہنامہ میثاق لاہور، یونائیٹڈ بنک لمیٹڈ ماڈل ٹاؤن برانچ
۳۶-کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۱۴ (پاکستان) لاہور

Jawad

We are manufacturing and exporting ready made garments (of all kinds including shirts, trousers, blouses, jackets, uniforms, hospital clothing; kitchen aprons), bedlinen, cotton bags, textile piece goods etc.

For further details write to :

M/s. Associated Industries (Garments) Pakistan (Private) Ltd.,

IV/C/3-A (Commercial Area),
Nazimabad,
Karachi - 18
Tele : 610220/616018 625594

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

Regd. L. No. 7360
VOL. 37 No.
July 1988

سورۃ الحدید سے سورۃ التحریم تک دس مدنی سورتیں

اُمّتِ مسلمہ کی عملی رہنمائی کے اعتبار سے قرآن حکیم کا اہم ترین حصّہ ہیں

اور اُن کے قلب کی حیثیت

سُورۃُ الصّف اور سُورۃُ الجُمعہ

کو حاصل ہے جو بلاشبہ

تحریکِ اسلامی کی انقلابی دعوت

اور انقلابِ اسلامی کے اساسی منہاج
کے موضوع پر قرآن حکیم کا ذروۂ سنام ہیں ـــ اور الحمدللہ کہ

ڈاکٹر اسرار احمد

کے مسلسل درسِ قرآن میں جو ہر ہفتہ کی شام کو بعد نمازِ مغرب، قرآن اکیڈمی
۳۶۔کے، ماڈل ٹاؤن میں منعقد ہوتا ہے۔ **ہفتہ ۲؍جولائی** سے سورۃ الصف کا آغاز ہو رہا ہے

اسلامی انقلاب سے عملی دلچسپی رکھنے والے خواہ کسی بھی جماعت
یا تنظیم سے منسلک ہوں، اِن شاء اللہ ان دروس کو بہت مفید پائیں گے

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

(نوٹ: خواتین کے لیے پردہ کا اہتمام ہوتا ہے!)